بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام علیہ السلام

کا

پسندیدہ کلام

مع مطالب

از حضرت مولینا مولوی سید میراں جی عابد خوندمیری مولوی کامل

صدر مفتی اجماع فقرائے گروہ مہدویہ چن پٹن

باہتمام بزم گلزار ادب چن پٹن

(ریاست میسور)

مطبوعہ کوہِ نور پریس بنگلور

٧٨٦

تشکر

حامداً و مصلیاً: بزم گلزارِ ادب چن پٹن نے اپنے ایک خصوصی اجلاس میں یہ طے کیا تھا کہ بزم کے اراکین شعراء کا کلام گلدستہ کی شکل میں شائع کیا جائے لیکن جب ہمیں یہ معلوم ہوا کہ فاضل علام حضرت مولانا مولوی سید میراں جی صاحب عابد خوندمیری، میرِ مشاعرہ بزم گلزار ادب چن پٹن، سرپرست مہدویہ تنظیم ہاسٹل میسور، صدر مفتی اجماع فقراء گروہ مہدویہ چن پٹن نے امام علیہ السلام کا پسندیدہ منظوم کلام مع مطالب ارقام فرمایا ہے تو ہم نے یہی بہتر جانا کہ گلدستہ سے پہلے یہی تالیف منظرِ عام پر آجائے۔ مولانا نے اپنی اس ادبی اور دینی کوشش کو جس فراخدلی کے ساتھ بزم گلزار ادب چن پٹن کو عنایت فرماکر شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے میں بحیثیت سرپرست بزم گلزار ادب جمیع اراکین بزم گلزار ادب کی جانب سے مولانائے موصوف کا تہ دل سے شکریہ کرتا ہوں، اور آپ کی ذات سے بے جا امید رکھتا ہوں کہ آئندہ اسی قسم کے گلہائے عقیدت سے بزم گلزار ادب کی ملا ینتے رہیگی۔

سید یحییٰ رونق سیمابی
سرپرست بزم گلزار ادب، چن پٹن ریاست میسور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنتساب بنام

★ والدی و مُرشدی حضرت مولانا مولوی

مشائخ سیّد اشرف صاحب تشریف اللّٰہی مدظلہ

جنکی بزرگانہ دعاؤں اور مشفقانہ کوششوں کا یہ ثمرہ ھے

★ **فرزندِ عزیزم ابوالفضل سیّد طاہر نجمی**

جس سے میری نیک توقعات

وابستہ ہیں

عابد خوندمیری

عرض حال

الحمد للّٰہ رب المشرقین ورب المغربین والصلاۃ والسلام علی الخاتمین
امابعد المفتقر الی اللہ سید میراں جی عابد خوندمیری (تشریف اللہی) بن حضرت مولوی مشائخ سید اشرف صاحب تشریف اللہی مدظلہ عرض پرداز ہے کہ کئی دنوں سے ذہن میں یہ خیال گردش کررہا تھا کہ موجودہ زمانے کو عموماً اور مہدویوں کو خصوصاً فرامین امامنا کی روشنی میں دین مہدی سے روشناس کرایا جائے۔ یہ کام اگرچہ کتب نقلیات اور ثبوت مہدی میں لکھی ہوئی کتابوں سے بھی نکل سکتا تھا لیکن اوّل الذکر کی حیثیت صرف نقلیات کی جامع ہونے کی وجہ مسائل کا استخراج اور استنباط عوام کیلئے بہت مشکل ہے آخرالذکر میں اگرچہ نقلیات سے استدلال کیا گیا ہے لیکن ان کتابوں کی ضخامت ایک اہم مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ تجویز مناسب معلوم ہوئی کہ مختلف عنوانوں پر چھوٹے چھوٹے رسالے عام فہم انداز میں شائع کئے جائیں تاکہ عوام زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرسکیں اسی سلسلہ کی پہلی کڑی یہ رسالہ ہے جس میں امام علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے اشعار، رباعی، قطعہ، دوہرہ جو فارسی، ہندی اور گجراتی زبان کے ہیں ایک جا جمع کرد‌ئیے گئے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کو ہر زبان پر اتنا عبور حاصل تھا کہ ہر زبان کے محاورات، ضرب الامثال سے گذر کر اس زبان کے مشہور اشعار اور دوہروں کو بھی آپ آزادانہ استعمال فرماتے تھے۔

اشعار کے ذیل میں اپنی سمجھ کے مطابق لیکن سیاق وسباق کے موافق مطالب کو واضح کرنے کی کوشش کیگئی ہے اور سند کے طور پر نقلیات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ ضمناً ان مباحث پر مختلف ایرادات واعتراضات کا بھی جواب دیا گیا ہے۔ تاکہ پڑھنے والے کو ایک حد تک بصیرت حاصل ہو۔

یہ قطعاً نہیں کہا جاسکتا کہ امام علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے اشعار بس اتنے ہی ہیں جو اس رسالہ میں درج ہیں۔ ہمیں دوران تحقیق سردست مختلف کتابوں سے

جو مل گئے، اپنے مطلب کے پیشِ نظر ہم نے انہیں ناربیزہ سمجھ کر چن لیا ہے ـــــ ممکن کیا یقین ہے کہ بہت بڑا حصہ یا تو نقلیات سے ہی متروک ہو گیا ہے یا ہمیں دستیاب نہ ہو سکا۔

افادہ کے پیشِ نظر گلزارِ ادب چن پٹن نے اسکی اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔ وکان سعیہم مشکورا خدا سے یہی دعا ہے کہ یہ حقیر کوشش قبولیت کا جامہ پہنے، اور قارئین کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ سوائے کلام ربانی کے کوئی اور انسانی کلام اغلاط اور اسقام سے پاک نہیں رہ سکتا مگر انسانی شیوہ یہ ہے کہ مغز کو لے لیا جائے اور استخوان کو دوسری مخلوق کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

فقط

خادم العلم فقیر س، م۔ عابد خوندمیری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی دِل بجائے بستہ گردد	الٰہی دل ایسی جگہ لگا رہے
ازاں دل بستگی جاں رستہ گردد	کہ اس دل بستگی سے جاں نجات پائے
مُبادا دل بجائے بستہ گردد	ایسا نہ ہو کہ دل ایسی جگہ بندھا رہے
کزاں دل بستگی جاں خستہ گردد	کہ اِس دل بستگی سے جاں تباہ ہو

(مولود میاں عبدالرحمان ص ۳۳، شواہد الولایت ص ۵۲)

یہ ابیات حضرت امامنا مہدی موعود علیہ الصلاۃ والسلام کی زبانِ مُبارک سے اُس وقت نکلے ہیں جبکہ سلطان حُسین شرقی والیٔ جونپور نے جنہیں امامنا علیہ السلام کی تائید کی وجہ راجہ دلپت والیٔ گوڑ (بنگالہ) کے مقابلہ میں زبردست فتح حاصل ہوئی تھی، امام کی خدمت میں حاضر ہو کر جونپور میں ہی تشریف فرما ہونے کی درخواست کی تھی) اس لئے کہ سُلطان کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ اِمام بفرمانِ رب العزت وہاں سے ہجرت فرما رہے ہیں۔

سُلطان حُسین شرقی کو امام سے بیحد محبت تھی، اور اس درجہ اعتقاد تھا کہ کسی جہاد میں آنحضرت کے بغیر نہ جاتے تھے اور خود کو ہر سواری میں آنحضرت کا ہمرکاب رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً آنحضرت سے ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا کرتے تھے۔

سُلطان مذکور راجہ دلپت والیٔ گوڑ کے باجگذار تھے۔ امام نے ایک روز مجلسِ وعظ و تذکیر میں جس میں کہ سُلطان بھی شریک تھے یہ فرمایا کہ مطیع الاسلام ہونا چاہئے ہے لیکن مطیع الکفر ہونا نا جائز، بعد ختم بیان سُلطان نے کہا کہ کافر قوی ہے اگر اس کے حکم کی سرتابی ہو تو وہ سارے مسلمانوں کو تاراج کر دیگا۔ اگر میراں اپنا ہاتھ بندہ کے سر پر رکھیں تو تمام مسلمان کافر کے شر اور فتنہ سے نجات پائیں گے۔ امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ اپنے دین کی خود مدد فرمائیگا اور تمام مسلمانوں کو اس کے شر اور فتنہ سے نجات دے گا۔

اِس ہمت افزائی کے بعد سُلطان نے باج دینے سے انکار کر دیا تو دلپت مع لشکر جرار مقابلہ کیلئے آدھمکا سُلطانی فوج بھی میدانِ جنگ میں صف آراء ہوئی - امام بھی اپنے چند جان نثاروں (بیراگوں) کے ساتھ ایک ٹیلہ پر تشریف فرما تھے - جب گھمسان کی لڑائی ہوئی اور سُلطانی فوج شکست کھانے کے قریب ہو گئی تو سلطان کی درخواست پر امامؑ اپنی جماعت کو لیکر آگے بڑھے بسم اللہ کہکر ایک تیر مارا جو اس ہاتھی کے سر میں گھس گیا جو سونے کی زنجیر سے مقابل کی فوج کو روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا - ہاتھی گھبرا کر پلٹ پڑا اور اپنی ہی فوج کو روندتا بھاگنے لگا - فوج میں بھگدڑ مچگئی - راجہ دلپت جو قلعہ تک بھاگ چکا تھا واپس پلٹا، اور امام کے مقابل ہوا - امام نے اس پر تلوار سے وار کیا تو اسکا جسم اس خوبصورتی سے دو ٹکڑے ہوا کہ دل کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے - امامؑ نے جب اس کے دل پر اس بت کا نقش دیکھا جسکی وہ پرستش کیا کرتا تھا معاً یہ خیال پیدا ہوا .... کہ باطل کا جب یہ اثر ہے کہ اس کی وجہ دل پر نقش قائم ہو جاتا ہے تو حق کا اثر کیا ہوگا اسکے بعد جذبہ حق طاری ہوا جو بارہ سال تک رہا -

دلپت کے مارے جانے کے بعد لڑائی کا نقشہ ہی بدل گیا - بالآخر میدان سلطان کے ہاتھ رہا - لیکن سلطان نے اُس فتح کو امام کی جانب منسوب کیا اور کہا "یہ حضرت میراں کی فتح ہے" اس کے بعد سُلطان نے سات بڑے اور آباد قصبوں کی سند بطور وظیفہ لکھکر قاضی محمد علی کی معیت میں حاضر خدمت ہو کر بارگاہ اقدس میں پیش فرمایا مگر آنحضرتؑ نے اس جانب کوئی توجہ نہیں دی سُلطان یہ رباعی پڑھکر با دلِ ناخواستہ واپس ہو گئے -

ہر کس کہ ترا یافت جاں را چہ کند	جس نے تجھکو پالیا وہ اپنی جان کو کیا کرے
فرزند و عیال و خاناں را چہ کند	اپنے فرزند و عیال و خانماں کو کیا کرے
دیوانہ کنی ہر دو جہاں را بخشی	تونے دیوانہ بنا کر دو جہاں تو دے دیا
دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند	تیرا دیوانہ مگر دونوں جہاں کو کیا کرے

بارہ سالہ جذبہ کے بعد بحالت ہوشیاری امام علیہ السلام کو حق تعالیٰ کا فرمان پہنچا "اے سید محمد ہمارے واسطے ہجرت کر" جسکی تعمیل میں امام نے ترکِ وطن کا ارادہ فرمایا اور اسکی اطلاع سُلطان کو بھی ہو گئی وہ فوراً حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ یہ ساری حکومت

اور مملکت آپ ہی کی ہے آپ یہیں تشریف فرما ہوں۔ اسکے جواب میں امام علیہ السلام نے "الہی دل بجائے.......الخ کہا ان ابیات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی کاروبار میں سارا معاملہ دل کا ہے۔ یہ دل ہی تو ہے جو انسان کو اچھے راستہ پر بھی لگا دیتا ہے اور برے راستہ پر بھی پس جب دِل اچھا ہو تو انسان بھی سُدھر جائیگا اور اسکی زندگی بھی تابناک ہو جائیگی اور اگر دل آمادۂ فساد ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان سرتاپا فساد اور انسانی زندگی مجسم شر و فتنہ بن جاتی ہے۔ سُلطان نے کہا تھا کہ "یہ حکومت اور مملکت آپ ہی کی ہے" ظاہر ہے کہ حکومت مقصود خدا نہیں تھا بلکہ اس سے عیش و آرام، بے فکری، شان و شوکت اور جاہ و جلال کا سامان مہیا ہو سکتا تھا جن سے ایک مرتبہ دل لگا لینے کے بعد پھر پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا تھا اس لیے آپ نے فرمایا اے اللہ دل ایسی جگہ لگا رہنا چاہیئے کہ اس دِل بستگی سے جان کو نجات نہ ملے"۔ حکومت اور مملکت حتیٰ کہ بادشاہوں، جاگیرداروں امیروں اور مالداروں کی صحبت اور ان کی دل بستگی سے کبھی بھلا جان کو کہیں نجات مل سکتی ہے۔ ان کی صحبت اور دل بستگی سے تو خواہشاتِ نفسانی اور حیوانی کے پورا ہونے کا موقع ملتا رہتا ہے اور "اُمیدان و بیم جان کے ساتھ ساتھ" بیم ایمان" کا بھی خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے۔ ان کی صحبت میں جان کو نجات تو کیا ملیگی جان اور مصیبت میں پڑجاتی ہے۔ جان کو نجات تو اطمینان قلب کی صورت میں مل سکتی ہے۔ اور کامل اطمینان قلب ذِکرُ اللہ کے بغیر محال ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔

اَلَا بِذِکرِ اللہِ تَطمَئِنُّ القُلُوب   آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے ہی اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔

اِمام نے پہلے دونوں مصرعوں میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا کہ دِل ایسی جگہ لگا رہے کہ جس سے جان کو نجات نہ ملے بالفاظ دیگر آپ نے الا اللہ کا اثبات فرمایا۔ اور بعد کے دونوں مصرعوں میں یہ فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ دِل ایسی جگہ لگا رہے کہ جس سے جان تباہ ہو جائے یعنی سوائے خدا کے کسی دوسری چیز سے ایسی محبت پیدا نہ ہو جائے جسکی محبت حق پر غالب آجائے اور "صنم" کی شکل اختیار کرے بلفحوائے حدیث

کل ما شغلك عن اللہ فھو صنمك   جس چیز نے تجھے اللہ سے غافل رکھا وہ تیرا بت ہے۔

ظاہر ہے کہ یہاں لا الٰہ کی تفہیم کیجارہی ہے۔

مطلب یہ کہ انسان کو مقصود خدا سے الفت ہونی چاہئے، اسی سے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے جس کے سوائے دوسری چیزوں سے محبت اور دل بستگی انسانی جان اور ایمان کیلئے زبردست خطرہ اور ہلاکت کا عنوان ہے جس سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیئے ——— اسی ہلاکت سے بچانے کے لئے امام مہدی علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا کیسے ہلاک ہوگی اُمت جس کے اوّل میں ہوں، عیسیٰ آخر میں ہیں اور مہدی جس کے وسط میں ہیں۔

۲) بوقتیم کار موقوف است بعجلت برنمی آید | کام وقت پر موقوف ہے جلدی سے نہیں ہوتا
چونا گہ وقت آں آید انار لبستہ بکشاید | جب یکا یک وقت آجاتا ہے تو بندانار کھل جاتا ہے۔

(مولود صفحہ ۳۵)

داناپور میں یہ شعر امام علیہ السلام نے پڑھا ہے۔ اسکے مخاطب مہاجرین امام علیہ السلام ہیں۔

شعر پڑھنے کی وجہ یہ ہے جب امام علیہ السلام جونپور سے ہجرت فرمانے کے بعد مہاجرین کے ہمراہ داناپور پہنچے تو وہاں آپ کی حرم محترم بی بی الہدیتی رضی اللہ عنہا نے معاملہ دیکھا اور آوازِ غیب سنی کہ تیرا شوہر سید محمد جو ہے اس کو ہم نے مہدی موعود اور محمد کی ولایت کا بار اٹھانے والا اور نبی کی ولایت کا خاتم کیا ہے وہ صاحب زماں اور ہمارا خلیفہ ہے اسکی تصدیق کر، اسکا انکار میرا انکار ہے اور میرا انکار اسکا انکار ہے۔ اسکی تصدیق فرض ہے اسکی ذات رحمۃ للعالمین ہے۔ بی بی نے جو دیکھا اور سنا من و عن امامؑ سے کہا آپ نے تمام واقعہ کو درست فرماتے ہوئے کہا" بندہ کو تمام اوقات میں فرمان خدا ہوتا ہے کہ ہم نے تجھ کو مہدی موعود کیا ہے اس کا اظہار وقت پہنچنے سے متعلق ہے۔ جب وقت پہنچ جائے گا اس کا ظہور ہوگا۔

اس کے بعد بی بی نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کو اس کا گواہ گردانا۔ اسی طرح اکثر مہاجرین کو منجانب اللہ معلوم ہوتا کہ تمہارا مرشد جو سید محمد ہے

ہم نے اسے مہدی موعود بنایا ہے اسکی تصدیق کرو۔ چنانچہ ایک ایک دو دو مہاجرین آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے معلومات کو پیش فرماکر تصدیق کی اجازت چاہتے۔ امام بعد سماعت فرماتے تھے" ہاں ایسا ہی ہے اور اسی طرح ہوگا یہ بات وقت پہنچنے سے متعلق ہے تم اپنے کام میں (ذکر خدا میں) مشغول رہو۔

اسی قبیل کے واقعات کے ضمن میں ایک مرتبہ آپ نے وہ شعر پڑھا جو ہم نے اُوپر درج کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے (عند اللہ) اور وہ کام اسی وقت مقررہ پہ ہوتا ہے۔ نہ اس سے قبل ہوتا ہے اور نہ اس کے بعد مثال کے طور پر آپ نے انار کو پیش کیا کہ انار جب پختہ ہوجاتا ہے تو خود بخود کھل جاتا ہے۔

اس شعر کے ذریعہ امام علیہ السلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ ہر کام کو اس کے وقت سے متعلق سمجھو۔ جب وقت آجائیگا تو خود بخود وہ ظہور پذیر ہوگا اور اسکی تکمیل میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی، یہ انسان کی بے صبری ہے کہ وقت پہنچنے سے پہلے کسی کام کو کرنا چاہتا ہے اور اگر وہ ناسازگار ماحول اور غیر موزوں وقت کے سبب پورا نہیں ہوتا تو کبیدہ خاطر ہوجاتا ہے حالانکہ اسکی ایسی خواہش اور کوشش جو غیر وقت میں کی گئی تھی یقیناً بار آور نہیں ہوسکتی تھی، اور جب وقت آجاتا ہے تو معمولی سی کوشش بھی اس کیلئے بہت مفید ہوتی ہے اور اسکا پھل ملتا ہے۔ جیسا کچا انار کبھی نہیں کھلتا اِلّا یہ کہ ہم اس کو توڑ دیں۔ انار کا کھلنا تو اسکے پختہ ہونے سے متعلق ہے پس جب انار پختہ ہوجاتا ہے تو خود بخود کھل جاتا ہے اور وہ بھی کسی خارجی قوت کے بغیر ——— دوسرا یہ کہ امام علیہ السلام اس شعر کے ذریعہ یہ بتلانا چاہتے تھے کہ مہدی موعود ہونے کا دعویٰ نہ آپ اپنے نفس کی طرف سے کریں گے اور نہ آپ کے اصحاب کی خواہش اور ان کے صحیح معلومات پر مبنی اصرار کی بناء پر چونکہ یہ خلافت الٰہی کا معاملہ ہے اس لئے مہدیت کا دعویٰ بھی جب تک حکم الٰہی نہ آئیگا اس وقت تک آپ ضبط فرماتے رہیں گے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا" جذبات کے شروع دن سے اٹھارہ سال کی مدت ہوتی ہے کہ فرمان حق تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے ہوتا ہے کہ اے سید محمد تو مہدی موعود ہے، مہدیت کا دعویٰ ظاہر کر۔ بندے نے

عذر پیش کئے اور ضبط سے کام لیکر حضور باری تعالیٰ میں بزبانِ انکساری عرض کیا کہ اے بار خدا اس بار گراں سے تو جسکو چاہتا ہے سرفراز فرما" اور یہ صورت کیوں پیش ہوئی؟ صرف اس لئے کہ خلق کا معاملہ مہدیؑ کے ساتھ تو بالکل اُسی نوعیت کا تھا جو اگلے پیغمبروں کے ساتھ اگلی اُمتوں کا تھا یعنی بلا وجہ خلق کو ان سے دشمنی رہی۔ امامؑ کا یہ فرمان ان لوگوں کیلئے دعوتِ فکر ہے جنھوں نے یہ کہکر آپ کے دعوتِ مہدیت پر اعتراض کیا تھا کہ آپ نے جب دیکھا کہ آپ کا نام سید محمد ہے، والد کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہے پس مہدیت کا دعویٰ کر بیٹھے" اس لئے کہ یہاں امام علیہ السلام تو یہ فرما رہے ہیں کہ مجھے کبھی ہر وقت تمام اوقات میں فرمانِ خدا ہوتا ہے کہ ہم نے تجھ کو مہدی موعود کیا ہے" اس امرِ الٰہی کے باوجود آپ نے دعوی کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیا بلکہ اس کو ہمیشہ ضبط کرتے رہے اور اپنی عجز وانکساری کو بارگاہِ خداوندی میں پیش فرماتے رہے ساتھ ہی ان لوگوں کو بھی جواب مل جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ساتھ والوں نے جب اپنے معلومات پیش کیں اور آپ سے اصرار کیا تو آپ نے مہدیت کا دعویٰ کر دیا۔ وہ اس طرح کہ آنحضرت نے اپنے صحابہ کے اصرار پہ ہرگز دعویٰ نہیں فرمایا بلکہ یہ کہا کہ معلومات تو درست ہیں لیکن یہ معاملہ وقت سے متعلق ہے اور ساتھ ہی ان سے یہ بھی کہدیا کہ تم اپنے کام میں مشغول رہو، یادِ خدا کرتے رہو، جب وقت آئیگا تو وہ معاملہ خود بخود ظاہر ہو جائیگا۔ آئندہ کے کسی کام کے متعلق تم کیوں فکر کرتے ہو اس سے بہتر تو یہ ہے کہ ذکرِ خدا میں لگے رہو۔ تاکہ تمہیں اس کا نفع پہنچے۔

اس موقع پر یہ خیال کہ امام علیہ السلام کا بارہا حکم خداوندی ہونے کے باوجود خاموشی اختیار کر لینا یا اپنی عاجزی کو پیش کرنا حکم خداوندی کو رد کرنا ہے، محض سطحی ہے۔ جسے دینیات سے کچھ بھی تعلق ہوگا وہ اس قسم کے لچر و پوچ اعتراضات کو اپنے ذہن میں کبھی لا نہیں سکتا۔

مشاہدہ ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی اہم ذمہ دار عہدہ دیا جاتا ہے اور

عہدہ اعزازی بھی ہوتا ہے تو وہ اس عہدہ کو آگے بڑھ کر قبول نہیں کر لیتا بلکہ اسکی اہمیت اور اپنی ذمہ داری کے پورے گوشوں کو سامنے رکھتے ہوئے قبول کرنے میں پس و پیش کرتا ہے۔ اور جب اس پر دباؤ زیادہ ہوتا ہے یا یہ کہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تب کہیں جا کر عہدہ قبول کرتا ہے یہ تو ہوئے دنیا کے معاملات —— امر دینی اور وہ بھی اللہ کی خلافت کا بوجھ کسی شخصیت پر رکھا جا رہا ہو اور وہ یہ کہتا ہو یا الٰہ میں اس قابل نہیں ہوں بھلا اس میں اعتراض کی کیا بات ہے!! اور اگر کسی کو اس میں اعتراض ہی نظر آتا ہے تو نہیں معلوم مندرجہ ذیل مثالوں میں ان کی رائے کیا ہوگی۔

شب معراج میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پچاس نمازوں اور سال بھر بروایتے، یا چھ ماہ کے روزوں کا حکم ہوا تو جیسا کہ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے کی بناء پر آنحضرت نے باری تعالیٰ سے یہ التجا کی کہ میری اُمت اتنا بار اٹھا نہیں سکتی اس طرح ایک سے زیادہ تکرار جو باری تعالیٰ سے ہوئی کیا وہ بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہے کہ اس پر یہ حکم لگایا جائے کہ آپ نے راست حکم کو (اس لئے کہ یہاں درمیان میں جبرئیل کا واسطہ نہیں تھا، جو کچھ حکم ملا تھا وہ بالمشافہ تھا) علانیہ رد کیا حکم باری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، حکمت باری کے خلاف استدلال کیا!!

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بھی قرآن شریف میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب خدا کی طرف سے انہیں ظالم قوم فرعون کے پاس جانے اور انہیں خدا سے ڈرانے کا حکم ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

قال رب انی اخاف ان یکذبون ویضیق صدری ولا ینطلق لسانی فارسل الی ھرون ولھم علی ذنب فاخاف ان یقتلون قال کلا فاذھبا بایتنا انا معکم مستمعون۔

کہا اے میرے پروردگار مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا نہ دیں اور میرا سینہ تنگ ہو جائے اور میری زبان بھی نہیں چلتی پس ہارون کو بھیج اور ان کا میں قصوروار بھی ہوں مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے کہیں قتل نہ کر دیں۔ کہا ہرگز نہیں تم دونوں ہماری نشانیوں کے ساتھ جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں

ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ طرز کلام ردّ وحی کو مستلزم نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی جو بات چیت ہوئی ہے اس میں کہیں مصلحت کو پیش کیا گیا ہے، کہیں مشقت کو دفع کرنے کی کوشش کیگئی ہے اور کہیں انسانی عجز و انکساری کے مقابلے میں آسمانی ذمہ داری کو تولا گیا ہے۔ اگر امام علیہ السلام کا یہ طرز عمل خدا کے حکم کی نافرمانی ہے تو پھر حضرت موسیٰ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی صف میں آجاتے ہیں!!!

فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ!!!۔

(۳۲) بیزارم از آں کہنہ خدائے کہ تو داری | بیزار ہوا ہوں میں تیرے کہنہ خدا سے
ہر لحظہ مرا تازہ خدائے دگر است | ہر لحظہ میرے واسطے اک تازہ خدا ہے

(شواہد صفحہ ۵۸)

یہ شعر امام علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلا ہے۔ اِسکے مخاطب میاں بھیک مہاجر مہدی علیہ السلام ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک روز میاں بھیک رضؓ کو جذبۂ عشق ہوا ان کی زبان سے بارہا ہمہ حق است (سب حق ہے) کے الفاظ نکل رہے تھے۔ بناء بریں امام علیہ لسلام ان کے سرہانے تشریف لائے اور فرمایا دیکھتے ہو یا کہتے ہو انہوں نے وہی جواب دیا ہمہ حق است۔ حضرت نے فرمایا ہاں جاننا ایمان ہے کہنا کفر ہے۔ انہوں نے پھر وہی کہا ہمہ حق است۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے تین مرتبہ تکرار کے ساتھ فرمایا کیوں خدائے کہنہ کے ساتھ مقید ہوگئے ہو آگے بڑھو۔ اور یہ شعر پڑھا ہے

بیزارم از آں کہنہ خدائے کہ تو داری | ہر لحظہ مرا تازہ خدائے دگر است

واضح ہو کہ اس سے پہلے امام علیہ السلام نے میاں بھیک کے حق میں قائم مقام عیسیٰ کی بشارت بھی دی تھی۔ جبکہ آپ نے ایک مردہ کو قُم باذن اللہ کہکر زندہ کر دیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اس مقام سے آگے بڑھ جائیں لیکن اس عمل کی وجہ سے لوگ میاں بھیک کے پیچھے پڑگئے۔ آنحضرت نے پہلے تو فرمایا کہ یہ رسوائی تم نے خود مول لی ہے اسکے بعد تین دن کے مسلسل روزے رکھ کر خدا سے دعا کی کہ بارِ الٰہا میری قوم کو کشف و کرامات کی بلا سے رہا کر دے۔ چنانچہ دُعا مقبول ہوگئی۔

اِس سے معلوم ہوا کہ میاں بھیک امام علیہ السلام کی خدمت اور صحبت کی وجہ کس قدر بلند مرتبہ پہ پہنچ گئے تھے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میری اُمت میں بعد کو ایسے لوگ آنے والے ہیں جو قائم مقام انبیاء کے ہوں گے۔

ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میاں بھیک میں ہضم کر جانے کی وہ طاقت ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی جو امام علیہ السلام آپ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مقام عیسیٰ پہ پہنچے تو مردہ کو زندہ کر دیا حالانکہ یہ ایک بلا کو مول لینا تھا۔ اسی طرح جب جذبہ حق ہوا تو آپ نے جو دیکھا برملا کہہ دیا۔ اگرچہ جو کچھ دیکھا تھا حق تھا لیکن شریعت کے آداب کے پیشِ نظر ایسے کلمات کی علانیہ ادائی قابل گرفت ہوا کرتی ہے۔ اسی پاداش میں تو منصور حلاج کو بھی دار پہ چڑھایا گیا تھا۔ اسی لئے امام امام علیہ السلام نے حقیقت پہ نظر فرماتے ہوئے اس کی نفی نہیں فرمائی بلکہ پہلے تو یہ کہا دیکھتے ہو یا کہتے ہو — دیکھنا، سمجھنا اور جاننا ذاتی فعل ہے۔ جس سے انسان خود مستفید ہوتا ہے۔ اس میں غیر کا دخل بھی نہیں ہوتا۔ اور نہ یہاں شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ شریعت تو ظاہر پہ حکم لگاتی ہے۔ پس دیکھنا سمجھنا اور جاننا قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ یہ تصوف کی اعلیٰ ترین منزل ہے۔ قابلِ اعتراض بات تو کہنا ہے جس سے نہ صرف دوسرے بھی متاثر ہوتے ہیں بلکہ شریعت کے آداب بھی باقی نہیں رہتے، اور اس طرح کا کلام شریعت کی نظر میں کفریہ کلام کے مشابہ سمجھا جاتا ہے۔

جب آنحضرت کے یہ فرمانے کے بعد بھی میاں بھیک نے وہی کہا ہمہ حق است تو آپ نے فرمایا جاننا ایمان ہے اور کہنا کفر ہے تاکہ اگر ہوش میں ہوں تو بات کو سمجھ لیں اور اس سے باز آجائیں لیکن اسکے جواب میں وہی ہمہ حق است کی آواز آئی تو آپ نے فرمایا میں تیرے اس پرانے خدا سے بیزار ہوں۔ مطلب یہ کہ ایک ہی بات کب سے کہہ رہے ہو۔ کب تک ایک ہی تجلی کے پابند ہو رہتے ہو۔ ہم کو دیکھو کہ ہمیں ہر لحظہ تازہ تجلی خدا کی ہوتی ہے اور تم ہو کہ ایک ہی تجلی کے مقید ہو گئے ہو — اس مقام سے تم کو آگے بڑھنا چاہئے۔

کہنہ خدا سے تجلیات سابقہ مراد ہیں جن پر سالک کا ٹھہراؤ ہو جاتا ہے، اور تازہ خدا سے مراد تجلیات جدیدہ ہیں۔ کہنہ اور تازہ دراصل خدا کے صفات نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا موصوف تجلیات ہے چونکہ یہ تجلی خدا کی ہوتی ہے اس لئے مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا ہے

نعوذ باللہ اس سے اثبات تعدد معبوداں مقصود نہیں ہے، ایسے وقت میں جبکہ عالم بے ہوشی میں بھی ہمہ حق است کی علانیہ تعلیم کی جس ہستی نے مخالفت کی اسکے خلاف یہ گمان بھی باطل ہو گا کہ اسکے کسی جملے سے تعدد معبوداں کا اثبات مقصود ہے۔ فانظر واکیف تحکمون۔

(۴ صورت زیبائے ظاہر ہیچ نیست
اے برادر سیرت زیبا بیار

صورت زیبائے ظاہر کچھ نہیں
اے برادر سیرت زیبا تو لا

(حاشیہ صفحہ ۲۶۴ ، مولود صفحہ ۴۳)

یہ شعر بھی منجملہ ان اشعار کے ایک ہے جو امام علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے نکلے ہیں۔ اِس کے مخاطب حضرت بندگی میاں شاہ نظام وحدت آشام رضی اللہ عنہ ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت بندگی میاں شاہ نظام نے جذبۂ حق کے غلبہ کے سبب جالس کی آبائی حکومت سے سُبکدوشی حاصل کر لی تھی، مُرشد کامل کی تلاش میں اپنے وطن کو خیرباد کہدیا اور دور دراز کا سفر اختیار کیا۔ حج بیت اللہ کے فریضہ سے بھی فارغ ہوئے۔ اس طویل سفر کے دوران کسی مرشد کے پاس اپنی مراد بر نہ آتی دیکھ کر واپس ہو جاتے۔ آخر کار شیخ الاسلام کے یہ کہنے پر کہ تمہارا ظرف بڑا ہے۔ سوائے خاتم ولایت محمدیہ کے کسی اور سے تمہاری سیری نہیں ہو سکتی، یہ زمانہ اس کے ظہور کا ہے۔ چند دن اور انتظار کر لو، مسجد سلیم خان واقع چاپانیر میں بغرض تحصیل علم اقامت پذیر تھے۔ معتقد خاص سلیم خاں کے ذریعہ ظہور ولایت مآب کا مژدۂ جانفزا سنا۔ ادھر شاہ نظام رضؓ امام کی خدمت میں جانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ادھر امام علیہ السلام کو فرمانِ خداوندی پہنچا اے سید محمد میرا بندہ تمہارے پاس آتا ہے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہم تک پہنچا دو امام علیہ السلام آپ کے استقبال کیلئے باہر نکلے۔

جب امام کی نظر حضرت شاہ نظام پہ پڑی تو امام علیہ السلام نے فرمایا

صورت زیبائے ظاہر ہیچ نیست اے برادر سیرت زیبا بیار

اِس کے جواب میں حضرت شاہ نظام رضی اللہ عنہ نے بھی بروایت حاشیہ شریف تین شعر پڑھے اور بروایت مولود میاں عبدالرحمان ایک شعر۔

ہم پہلے وہ اشعار درج کرتے ہیں جو شاہ نظام سے حاشیہ شریف میں منقول ہیں۔

گر جہاں صورت است و معنی دوست ور بمعنی نظر کنی ہمہ اوست !!	اگر جہاں صورت ہے تو معنی دوست ہے اور اگر تو معنی پہ نظر کرے تو سب وہی ہے
ہر کہ امن میخورم با یار خویش ترک کردم رنگ را بے یار خویش	میں ہر چیز کو اپنے یار (کی یاد) کے ساتھ کھاتا ہوں میں نے اپنے یار کے بغیر ہر رنگ کو ترک کر دیا ہے۔
خشک گشتم چوں سپاری در فراق چوں بنا شد ذوق من با یار خویش	میں (معشوق کے) فراق میں سپاری کی طرح خشک ہو گیا ہوں مجھے اپنے یار کا شوق کیوں کر نہ ہوگا۔

(حاشیہ صفحہ ۳۶۴)

مولود میاں عبدالرحمان فرزند حضرت شاہ نظام رضی میں مہدی علیہ السلام کے شعر کے جواب میں حضرت شاہ نظام سے صرف ایک شعر منقول ہے - وھو ھذا

ا نجا کہ در نگرم صورت دوست ہر کہ دیدہ ندارد گند بجانب اوست	میں جہاں نظر ڈالتا ہوں وہاں دوست کی صورت ہے جو شخص آنکھ نہیں رکھتا خطا اسی کی ہے

حاشیہ کے تین شعر اور مولود کا ایک شعر سامنے رکھیں تو ادنی تأمّل ان امور تک رسائی ہوتی ہے۔

(۱) حاشیہ کا پہلا شعر اپنے مفہوم، بحر اور قافیہ کے اعتبار سے بعد کے دو شعروں سے قطعاً مختلف ہے۔

(۲) حاشیہ کے بعد کے دونوں شعر ہم معنی اور ہم قافیہ ہیں۔ بلکہ ایک قطعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (۳) حاشیہ کا پہلا شعر اور مولود کا شعر (جو ایک ہی ہے) ہم معنی اور ہم قافیہ ہے۔ ان مندرجہ بالا امور کو سامنے رکھیں تو نتیجہ یہ آمد ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کے شعر کے جواب میں شاہ نظام نے چار شعر فرمائے ہیں جن میں سے ایک

شعر مولود میں آگیا ہے اور دوسرا شعر اور بعد کا پورا قطعہ چھوٹ گیا ہے اور یہ تینوں اشعار حاشیہ میں آگئے ہیں جبکہ پہلا ایک شعر اس میں سے چھوٹ گیا ہے۔

گویا حضرت شاہ نظام نے جملہ چار شعر پڑھے۔ ایک شعر تو مولود میں منقول ہے اور بقیہ تین شعر حاشیہ میں آگئے۔

عام طور پر اس شعر کا صاف مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ظاہری صورت کی خوبی پر سیرت کی خوبی بہر حال مقدم ہے۔ بلکہ سیرت کی خوبی ہی مقصود ہے۔ صورت کی خوبی سیرت کی خرابی کی صورت میں کوئی چیز نہیں۔ اور یہ تعلیم ملتی ہے کہ انسان کو ظاہری آرائش و زیبائش سے کہیں زیادہ سیرت سازی پر توجہ دینی چاہئے۔ اس لئے کہ صفائی باطن پر ہی نجات کا مدار ہے لیکن یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ امام علیہ السلام نے حضرت شاہ نظام کو اس شعر سے کیوں مخاطب فرمایا؟ جبکہ شاہ نظام کے پاس بھی صورت پر سیرت ہی مقدم تھی۔ اسی سیرت زیبا کیلئے تو دور دراز کا سفر اختیار کیا تھا، آبائی سلطنت و حکومت کو بھی چھوڑ دیا تھا اور سلیم خان کی مسجد میں بغرض تحصیل علم تشریف فرما تھے۔

دوسرے یہ کہ امام علیہ السلام بھی آپ کے اس حال سے بے خبر نہیں تھے۔ آپ کی خدمت میں آنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ نے امام علیہ السلام کو آپ کے حال کی خبر دے دی تھی اور استقبال کیلئے حکم کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ استقبال کا حکم خداوندی صرف اس لئے ہوا تھا کہ شاہ نظام کا مسلک بھی یہی تھا کہ صورت کی خوبی پر سیرت کی خوبی کو ترجیح حاصل ہے۔ بلکہ سیرت کی خوبی ہی اصل ہے، اور صورت کی خوبی کوئی چیز نہیں ـــــــــ

اس کے باوجود امام علیہ السلام کا اس شعر کے ذریعہ حضرت شاہ نظام کو خطاب کرنا ایک تو اس لئے تھا کہ اور لوگوں کو حضرت شاہ نظام کی قابلیت، صلاحیت، دین داری، دنیا بیزاری، تلاش حق جیسے اعلیٰ صفات سیرت سے روشناس کرایا جائے۔ اور ساتھ ہی اس غلط فہمی کو دور کیا جائے کہ امام علیہ السلام نے آپ کا استقبال اس لئے کیا کہ آپ جالس کے بادشاہ تھے۔ شاہ نظام جالس کے مطلق العنان بادشاہ تھے اور یہ بات مشہور عام تھی اب اگر امام علیہ السلام انکے

استقبال کیلئے تشریف لیجاتیں تو اس قسم کی بدگمانی پیدا ہو سکتی تھی اس لیئے امام علیہ السلام نے حضرت شاہ نظام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ صورت تو بیائے ظاہر تمہارے پاس کوئی چیز نہیں۔ شاہانہ شان و شوکت اور قار وفی جلال یہ اپنی جگہ مسلم لیکن فی اللہ کے پاس یہ کوئی چیز نہیں۔ اور ہم جو تمہارے استقبال کو آرہے ہیں اسکی وجہ بھی تمہاری شاہانہ شان و شوکت نہیں ہے۔ بلکہ اے بھائی تمہارے پاس سیرت کی خوبصورتی لیکہ آیعنی تمہارا استقبال کرنے کی اصل وجہ یہی ہے کہ تم سیرت زیبا کے مالک ہو جس کی اطلاع مجھے فرمانِ خداوندی سے ہو چکی ہے۔

پس اس مقام پر امام علیہ السلام نے شاہانہ صورت کا استقبال نہیں فرمایا بلکہ فقیرانہ سیرت کا استقبال فرمایا ہے اور یہی امام علیہ السلام کے شعر کا لب لباب بھی ہے ——— امام علیہ السلام کے شعر کے پہلے مصرعہ میں صورت اور دوسرے مصرعہ میں سیرت کے الفاظ آگئے تھے اس لئے شاہ نظام نے صورت کیلئے ایک قطعہ کہا اور سیرت کے لیئے ایک قطعہ کہا۔

پہلے دو شعر میں صورت کی توضیح کی کہ ہر طرف اسی کی صورت ہے۔ اور یہ جو ظاہری صورتوں کا تنوع نظر آرہا ہے وہ محض سطحی ہے۔ چنانچہ میں جہاں نظر ڈالتا ہوں وہاں اسی کی صورت نظر آتی ہے لیکن اگر کسی کو دیدۂ بینا نہ ہو اور وہ ظاہر و باطن کی کثرت و وحدت پر نظر نہیں رکھ سکتا تو یہ اسکی غلطی ہے۔

دوسرے دو شعروں میں اپنی سیرت کی خبر دی کہ آپنے معشوق کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لیا ہے معشوق کی یاد بھی ہمیشہ آپ کے ساتھ ہے، معشوق کی فراق میں سپاری کی طرح خشک ہو گئے ہیں اس سے وصل معشوق کے جذبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۵) ہیرانت بچھال کپڑا دھوئے مد ھوئے — دل کو اپنے پاک کر کپڑوں کو دھویا نہ دھو
اوجل ہوئے بچھوٹئی ایسی نیدری مسوئے — اپنی نجات کھو بیٹھو ایسی نیند نہ سو

(شواہد صفحہ ۷۹)

حضرت امام علیہ السلام کے بیان کی خصوصیت ایک یہ بھی تھی کہ آپ جس مقام پر تشریف لیجاتے وہاں اسی مقام کی زبان میں بیان فرماتے تھے۔ نیز گفتگو اور بول چال میں بھی اسی زبان کے الفاظ، محاورات اور اشعار بھی استعمال فرماتے تھے۔

چنانچہ مندرجہ بالا شعر ہندی زبان میں ہے جسے امام علیہ السلام نے استعمال فرمایا ہے اسکے مخاطب قاضی علاء الدین بیدری ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب امام علیہ السلام شہر بیدر میں تشریف فرما ہوئے تو جتنے علماء اور اہل عرفان خاص و عام تھے سب آنحضرتؑ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مگر وہاں کے قاضی مسمّٰی قاضی علاء الدین بیدری نے جو عالم، عامل اور عارف کامل تھے آنحضرت سے ملنے میں محض اس سبب سے کہ کپڑے دھو کر پہن کر جائیں کسی قدر تاخیر کی۔ جب وہ آنحضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے یہ بیت ہندی زبان میں فرمایا۔ اسکے الفاظ کی تشریح صاحب شواہدالولایت نے شعر کے ذیل میں اسطرح کی ہے " ہیرا دل کو کہتے ہیں، اور پکھال کے معنی پاک کر نا کپڑ کے معنی کپڑے، اور دھوئے مدھوئے کے معنی ہیں دھو یا نہ دھو، اور جل سفید کو کہتے ہیں، نچھوٹسی نجاست کو کہتے ہیں اور نیدری کے معنی ہیں نیند اور مسوئے کے معنی ہیں مت سو" یہ تو ہوئی الفاظ کی تشریح اب مطلب بھی صاحب شواہدالولایت سے سنئے۔

" حاصل معنی یہ ہیں کہ دل کو پاک کر کپڑوں کو دھو یا نہ دھو کیوں کہ کپڑوں کے سفید ہونے میں ہی نجات نہیں ہے۔ اس خواب غفلت میں مت رہو"

خلاصہ یہ کہ انسان کو ظاہر کی صفائی سے زیادہ باطن کی صفائی پر توجہ دینی چاہیئے۔ اس لئے کہ آخرت میں نجات کا مدار باطن کی صفائی پر ہے۔ اس لئے ہمیشہ ان ذرائع کی تلاش میں انسان کو رہنا چاہیئے جن سے قلب کی صفائی ہوتی ہو۔ اگر اور اگر پتہ چل جائے کہ کسی مقام پر ایسی ہستی موجود ہے جس سے تصفیہ قلب کی تعلیم مل سکتی ہے تو اسے چاہیئے کہ اپنے ہر کام کو چھوڑ کر پروانہ وار اسکی خدمت میں پہنچ جائے۔ اطلاع ملنے کے باوجود اگر اس کی جانب سے تاخیر ہوگی تو یہ سمجھا جائیگا کہ عشق کی چنگاری بھی ابھی دل میں پیدا نہ ہوئی جیسا کہ قاضی علاء الدین بیدری محض کپڑے دھونے کے سبب آپ کی خدمت میں تاخیر سے آئے۔ حالانکہ یہ کام آپ بعد بھی کر سکتے تھے۔ اگر آپ کپڑے دھوتے رہتے اور امام علیہ السلام یہاں سے ہجرت کر جاتے تو پھر قاضی صاحب کو کف افسوس ملنے کے سوائے اور کیا رہ جاتا۔ دل کا دھونا کپڑے دھونے سے کہیں مقدم ہے۔ کپڑے کسی وقت بھی دھوئے جا سکتے ہیں

لیکن دل کی دھلوائی کا سامان بار بار نہیں ملتا۔ نیز کپڑوں کی دھلوائی کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے لیکن دل کی صفائی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔

(۶) گہ یمنی در یمنی پیش منی | اگر تو مجھ سے ہے اور یمن ہے تو تو میرے پاس ہے
ورنہ منی پیش منی در یمنی | اور اگر تو مجھ سے نہیں ہے، اور میرے پاس ہے تو تو یمن میں ہے

(مولود صفحہ ۵۴ شواہد الولایت صفحہ ۲۴)

یہ شعر بھی آنحضرت کی زبان مبارک سے نکلا ہے۔ اسکے مخاطب شیخ مومن توکلی ہے۔ شیخ مومن توکلی صاحب کشف اور اہل معرفت سے تھے۔ آنحضرت کے بیدر تشریف لانے سے پہلے بیدر کے بادشاہ ملک بریدنے ایک خواب دیکھا کہ ایک قوی ہیکل شیر ایک دروازے سے شہر میں داخل ہوکر دوسرے دروازے سے چلا گیا۔ اسکی تعبیر شیخ نے یہ دی کہ ایک سید کامل و اکمل ولی مانند حضرت علی ایک دروازے سے آکر دوسرے دروازے سے جائیگا۔ اسکے کچھ ہی دن بعد امام علیہ السلام بیدر تشریف لائے۔ شیخ نے آنحضرت کی اپنے گھر دعوت کی۔ جب آنحضرت گھر تشریف لائے تو بصد منت وادب کہا کہ بندے نے خدمت کی غرض سے پانی گرم کر رکھا ہے اگر تکلیف نہ ہو تو غسل فرمالیں۔ امام علیہ السلام آمادہ ہوگئے۔ جب جسم پہ پانی ڈالنے لگے تو شیخ نے مہر ولایت دیکھی اور قدمبوسی کرتے ہوئے کہا کہ اس گستاخی کی وجہ یہی تھی کہ میری آنکھیں مہر ولایت کے دیدار سے مشرف ہوں۔

جب آنحضرت بیدر سے کوچ فرمانے لگے تو شیخ نے بھی آپ کے ساتھ چلنے کا ارادہ کرلیا لیکن آنحضرت نے ان کی معذوری کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو وہیں (موضع ارہم میں) رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور فرمایا تمہارا مقصود پورا ہوگیا ہے تم ہمارے نزدیک ہیں اور ہم تمہارے نزدیک اسکے بعد آپ نے وہ شعر پڑھا جو ہم نے اوپر درج کیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مجھ سے ہے یعنی میری باتوں پر عمل کرتا ہے میرے منع کئے ہوئے افعال سے بچتا ہے۔ عادات بد عادات اور رسوم سے پرہیز کرتا ہے۔ زہد و تقوی کو اپنا شعار بناتا ہے تو اگرچہ وہ مجھ سے بظاہر دور بھی ہو لیکن میری خوشنودی کے سبب وہ یہ سمجھے کہ وہ میرے سامنے ہی ہے۔ اس کے برخلاف

ایک شخص جو اگرچہ میرے سامنے ہے لیکن اسکے اعمال و افعال میری آن اور میرے طریقے کے بکسر مخالف ہیں تو وہ یہ سمجھے کہ مجھ سے بہت دور ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اتباع و اقتداء کی موجودگی میں زمان و مکان کی دوری حقیقی دوری نہیں ہے۔ اگر انسان خلیفۃ اللہؑ کے بتائے ہوئے طریق پر گامزن ہو تو وہ اگرچہ خلیفۃ اللہ سے باعتبار فاصلہ کے دور یا بلحاظ زمانہ کے بعد سہی لیکن یہ زمان و مکان کا بعد اس کے قرب کے راستے میں حائل نہ ہوگا۔ اسی طرح اتباع اور اقتداء کی غیر موجودگی یا نارضامندی کی موجودگی میں زمان و مکان کا قرب بھی انسان کو خلیفۃ اللہ سے قریب نہیں کر سکتا۔ پہلا شخص قریب ہونے کے باوجود دور سمجھا جائیگا اور دوسرا شخص کوسوں دور رہ کر بھی معیت کا درجہ حاصل کریگا۔

رضامندی کی دوری بھی عین حضوری ہے اور نارضامندی کی حضوری بھی عین دوری ہے اویس قرنی دور رہ کر بھی عاشق رسول سمجھے گئے اور ابو جہل نظروں کے سامنے رہ کر بھی مردود ہوا۔

(۷) اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید	اے حج کو جانے والو کہاں ہو کہاں ہو
معشوق ہمیں جاست بیائید بیائید	معشوق یہیں ہے تم آؤ تم آؤ
آنانکہ طلبگار خدائید خود آئید	وہ جو خدا کے طالب ہیں چلے آؤ
حاجت بطلب نیست تیائید نیائید	جن کو طلب کی ضرورت نہیں نہ آؤ نہ آؤ

آخری مصرعہ ایک نسخہ میں اس طرح مرقوم ہے

آنہا کہ طلب نیست نیائید نیائید (مولود صفحہ ۵۹ شواہد صفحہ ۸۵)

یہ قطعہ بھی امام علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلا ہے اسکے مخاطب عازمین حج ہیں نقل ہے کہ جب آنحضرت بمقام بندر ڈابول پہنچے تو وہاں آپ نے دیکھا کہ لوگ حج کے ارادے سے کشتی میں بیٹھنے کیلئے بہت جلد بازی کرتے ہیں اس وقت آپ نے یہ ابیات ارشاد فرمائے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عبادات وطاعات کا مقصد انسانی دماغ کو اللہ کی کبریائی اور عظمت سے جہاں آگاہ کرنا ہے وہیں انسان کے دل میں انقیاد اور تسلیم کے جذبات بھی پیدا کرتا ہے دلوں میں جب تک حکم دینے والے کی محبت پیدا نہ ہوگی

تعمیل کی طرف شوق کا قدم اُٹھ ہی نہیں سکتا اور یہ جذبۂ انقیاد و اطاعت جسطرح محبت اور عشق کی کمی و بیشی سے بڑھتا اور گھٹتا ہے اسی طرح اسکی موجودگی اور اسکے فقدان سے موجود اور معدوم بھی ہو جاتا ہے۔ وہی عبادت اور طاعت قابل قدر ہوتی ہے جس کا محرک "جذبۂ عشق" ہو جاتا ہے۔ جذبہ عشق کے بغیر یعنی جبر و اکراہ، نام و نمود اور رسم و عادت کی فاسد بنیادوں پر جن اعمال و افعال کی عمارت قائم ہو گی ان کی نہ تو دنیا میں کوئی قیمت ہے اور نہ آخرت میں کوئی قدر طاعات اور عبادات کی ظاہری حرکات میں "جان" اسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ عشق کی روح ان کے اندر کار فرما ہو۔ ورنہ وہ رسم و عادت کے طور پر صادر ہونے والے افعال سمجھے جاتے ہیں جو اکثر اوقات غیر شعوری طور پر بھی سرزد ہو جایا کرتے ہیں ——— امام علیہ السلام نے جب دیکھا کہ لوگ اللہ کے گھر کو جانے کی غرض سے کشتی میں غفلت کے ساتھ بیٹھے رہے ہیں تو آپ نے انہیں اس طرح مخاطب فرمایا اے حج کو جانے والی قوم کہاں کہاں ہو۔ یعنی تمہارا یہ اضطراب و حال سے خالی نہیں یا تو تم اس لئے جلدی کر رہے ہو کہ اللہ کے گھر تک ہو آؤ اور ایک فرض سے سبکدوش ہو جاؤ تو بتاؤ کہ تمہارا نقطۂ نظر کتنا صحیح ہے۔ تم کو خدا رسائی سے کوئی نسبت بھی ہے اور فلسفۂ حج کو تم نے سمجھا بھی ہے۔؟ کہاں ہو کہاں ہو۔ یا یہ ہوگا کہ جذبۂ عشق تمہیں لیجا رہا ہے تو پھر یہ بے بصری کیسی کیا تم نے اپنے معشوق کو کعبۃ اللہ میں محصور سمجھا ہے۔ یہ کیا تمہارا جذبۂ عشق ہے۔ بہر حال ان اندھوں اور ان ناقصوں دولتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم آنکھیں رکھتے ہو تو دیکھو معشوق اسی جا پر ہے اس طرح کہ خدا ہر جگہ موجود ہے یا یہ کہ حق کو سر کی آنکھوں سے دکھانے والا عشق کی تعلیم دینے والا اور حق سے ملانے والا یہاں موجود ہے، اور تم اس سے صرف نظر کرتے ہوئے کہاں چلے جا رہے ہو۔ پھر آپ نے کہا جو کچھ ہو اگر خدا کی طلب ساتھ ہے تو چلے چلو اور جن کو خدا کی طلب نہیں ہے ان کو اس طرح کے حج سے کیا ملے گا۔

آشا کہ طلب نیست نیابید نیابید سے حج سے روکنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ جذبۂ حج کی اصلاح منظور ہے اور یہ نکتہ ذہن نشین کرنا ہے کہ یہاں سارا

معاملہ عشق کا ھے۔ (اللہ کا گھر اپنی جگہ پر ہے - اگر تم اسی غرض سے جاتے ہو تو یہ مکان پرستی ہوئی تمہیں اس سے کیا فائدہ ملیگا اور اگر خدا سے محبت ہے اور اسکی محبت میں تم وطن، بیوی بچوں اور مال کی محبت کو قربان کرتے ہوئے اسکے گھر کی طرف بڑھ رہے ہیں اور تمہارا مقصد بھی اس تک رسائی اور اس کا دیدار ہے تو یہ بات ٹھیک ہے - اور اگر صرف رسم و عادت کے جذبات کے تحت تم یہ سفر اختیار کر رہے ہو تو تمہیں اس سے کیا ملیگا۔

واضح باد کہ امام علیہ السلام بھی اس وقت مع جماعت کثیر بعزم حج بیت اللہ ڈابول بندر تشریف لائے تھے اور آپ بھی اسی جہاز پر سوار ہو رہے تھے، اور آپ کے ساتھ جو جماعت تھی وہ عشق الہی کی ایک جاں سپار جماعت تھی جس نے اپنے خون کے رشتوں اور وطن و زمین کی فانی الفتوں کو ایمان و محبّت کے رشتہ پر قربان کر دیا تھا۔

۸) ہوں بلہاری سجنا سجن مجھ بلہار ہوں سر ساجن سہرا ساجن مجھ گلہار (شواہد صٓ ۹۰)	میں اپنے صاحب پہ فدا ہوں وہ مجھ پہ قربان ہے میں اپنے صاحب کے سر کا سہرا ہوں اور میرا صاحب میرے گلے کا ہار ہے -

یہ ہندی دوہرہ ہے جو امام علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلا ہے - اسکے مخاطب ایک مہاجر ہیں جو امام علیہ السلام کے ساتھ بعزم حج بیت اللہ جہاز میں سوار تھے -

واقعہ یہ ہے کہ جہاز میں امام علیہ السلام اپنے پہلو پر تکیہ کیے آرام فرما تھے، اس وقت ایک مہاجر کے دل میں یہ خیال آیا کہ حضرت امام کی عمر مبارک کتنی ہوگی، ان کے اس خیال کی بناء بغیر استفسار کا موقع دئے آپ نے جواب دیا تیس سال ہم ذات ذوالجلال کے عاشق تھے اور دیگر تیس سال ہو رہے ہیں کہ وہ خدا وند اس مشت خاک کا عاشق ہے -

اس دوہرہ کی تشریح صاحب شواہد الولایت نے اس طرح فرمائی ھے، "بندہ قربان ہے لفظ قربانی سے یہاں غرض عشق ہے یعنی ہم اپنے صاحب کے عاشق ہیں اور ہمارا صاحب ہمارا عاشق ہے اور سہرا اور ہار ہندوستان کا رواج

ہے کہ جس دن شادی کرتے ہیں اس دن پھولوں کا سہرا (نوشاہ کے) سر پہ باندھتے ہیں اور ہار گلے میں ڈالتے ہیں - یہاں حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم اپنے صاحب کے سر کا سہرا ہیں اور صاحب ہمارے گلے کا ہار ہے یہ اشارہ انا احمد بلا میم سے تعلق رکھتا ہے -

اس دوہرہ میں امام علیہ السلام نے عشق کامل کی تعریف بیان کی ہے یعنی عشق کا کمال یہی ہے کہ عاشق اور معشوق میں تمیز باقی نہ رہے، عاشق اپنے آپ کو معشوق میں اس درجہ گم کرے کہ عاشق کو اپنے وجود کا احساس تک نہ رہے - اسی مطلب کو یوں بھی ادا کیا گیا ہے -

من تو شدم تو من شدی من جاں شدم تو تن شدی
تا کس نگوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری !!

فاذکرونی اذکرکم اسکی ابتداء ہے جس میں عاشق معشوق کا ذکر کرتا ہے تو معشوق بھی عاشق کو یاد کرتا ہے مگر پہل عاشق کی طرف سے ہوتی ہے یحبہم و یحبونہ میں پہلے وہ محبت کرتا ہے اور پھر یہ اس سے محبّت کرتے ہیں یہ مقام انتہا ہے - پھر اسکے بعد ایک منزل آتی ہے جس میں صرف ذکر باقی رہتا ہے ذاکر اور مذکور کا خیال بھی نہیں رہتا اسی طرح صرف عشق باقی رہتا ہے - عشق کے متعلقات عاشق اور معشوق کے جداگانہ تصورات بھی باقی نہیں رہتے -

۹) آنکہ بداد نہ بداد نہ بداد نہ	جس کسی کو دئے دئے دے
وانکہ نداد نہ نداد نہ نداد نہ	اور جس کو نہیں دیے نہیں دیے نہیں دئے

(مولود صد ۹۹، ۱۰۰)

یہ بیت بھی آنحضرت کی زبان مبارک سے نکلا ہے اسکے مخاطب حضرت صدیق مہدی بندگی میاں سید خوندمیر بدلہ موعود رضی اللہ عنہ ہیں -

واقعہ یہ ہے کہ ایک روز امام علیہ السلام نے عصر و مغرب کے درمیان بیان کے موقع پر عجمی زبان میں فرمایا والذین ھاجروا شد واخرجوا من دیارھم شد و اوذوا فی سبیلی شد و قاتلوا و قتلوا ماندہ است ماشاء اللہ خواہد شد مطلب یہ کہ ہجرت ہو چکی، اپنے گھروں سے نکالے گئے، اللہ کے راستے میں ایذاء بھی سہے

البتہ قاتلوا وقتلوا باقی رہ گیا ہے اللہ جیسا چاہے گا ہو جائیگا۔

واضح ہو کہ امام علیہ السلام نے قرآن کی اس آیت شریفہ کو پڑھ کر جس میں مندرجہ بالا چار خصوصی صفات بیان کئے گئے ہیں ارشاد فرمایا کہ یہ مجھ سے متعلق ہیں۔ بعد ازاں اسکی تشریح ناگور میں اسطرح فرمائی کہ ان چار صفتوں میں سے تین صفتیں ادا ہو چکی ہیں البتہ آخری صفت قتال باقی ہے وہ آئندہ ہو گی لیکن اتنا تو یقین کے ساتھ کہدیا کہ یہ صفت قتال جو باقی رہ گئی ہے آپ سے ادا نہیں ہو گی جیسا کہ شواہد الولایت میں ہے " قاتلوا وقتلوا باقی رہ گئی ہے، اللہ جیسا چاہے گا اسکی ادائی ہو گی، لیکن بندہ اس پر مامور نہیں ہے، میرے ہی لوگوں سے اسکا ظہور ہو گا۔"

اس ارشاد سے اتنا تو معلوم ہو چکا تھا کہ چوتھی صفت **مھدیؑ** جو باقی رہ گئی ہے اس کا ظہور امام علیہ السلام کی ذات سے نہ ہو گا۔ پھر کس سے ہو گا؟ کون اس فضیلت کا حامل ہو گا۔؟ ایک فطری سوال تھا؟ سوال تو سب کے ذہن میں پیدا ہو گا لیکن جرأت دریافت کرنے کی حضرت بندگی میاں رضی اللہ عنہ نے کی لیکن اس خیال سے کہ اگر سوال کے جواب میں امام علیہ السلام یہ فرمادیں کہ تم ہی اس کے حامل ہو تو بڑائی کا عنصر ظاہر ہو گا، حضرت شاہ نعمت کو امام علیہ السلام کی خدمت میں روانہ فرمایا اور سوال کو آپ کے ذریعہ پیش فرمایا کہ اگر... خوندکار صفت قتال کے حامل شخص کا تعین فرمادیں تو اس کا احترام ملحوظ رکھا جائیگا، امام نے سوال سنکر فرمایا کہ وہ شخص خود سائل ہے۔ پس بندگی شاہ نعمت نے خیال فرمایا کہ بندہ سائل تھا قاتلو وقتلو کا بار مجھ پر رکھا گیا ہے اور اس خیال کو شاہ نعمت نے دوسروں کے سامنے بھی پیش کیا ہو گا کہ بیان میں امام عؑ نے جو بات مبہم کہی تھی اسکی توضیح ہو چکی ہے اور یہ کہ آپ ہی اس کا مصداق ہیں

بات امامؑ کے دربار تک پہنچی " چنانچہ اسی بناء پر حضرت بندگی میاں رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ بندگی میاں نعمتؓ نے تو خود یہ خیال کیا ہے کیوں کہ حضرت نے ان ہی کو فرمایا ہے آنحضرت نے سنکر فرمایا کہ سائل سے مراد تمہاری ذات تھی۔ بندہ تمہارے لئے کہا ہے خدائے تعالیٰ قابل کو چھوڑتا نہیں۔۔۔۔۔

آنرا کہ بدادند بدادند بدادند ٭ وانرا کہ ندادند ندادند ندادند

اللہ نے تمہاری اس گردن پر فاقتلوا وقتلوا کا بار رکھا ہے، اپنی ہڈیوں کو مضبوط رکھنا چاہئے اور قوت سے اس بار کو اٹھانا چاہیئے" (مولود ص ۹۹، ۱۰۰)

سیرت کے سب سے قدیم ماخذ مولود میاں عبدالرحمٰن کی مندرجہ بالا روایت سے صاف ظاہر ہے کہ امام علیہ السلام نے فاقتلوا وقتلوا کا بار حضرت بندگی میاں پر رکھا اور شہادت خاص کی بشارت دی اور یہ بات حدیث ارطاۃ کے مضمون کے بالکل موافق ہے یعنی " بچہ فاطمہ بنت رسول اللہ کی اولاد سے ایک آدمی نکلیگا جو مہدی کی سیرت پر ہوگا، بیس برس تک رہیگا پھر اس کو موت آئیگی اس طرح کہ ہتیار سے قتل کر دیا جائے گا۔

یہی وہ حدیث ہے جس میں امام مہدی کے ساتھ ساتھ حضرت بندگی میاں کی شہادت کی خبر ملتی ہے بار امانت بندگی میاں کے حوالے کئے جانے کی نسبت روایتیں تین مقامات پر ملتی ہیں۔ پہلے تو اس وقت جبکہ حضرت بندگی میاں کی پہلی مرتبہ امام علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔ دوسری مرتبہ ناگور میں جبکہ اس امر قتال کو بایں طور اظہار فرمایا کہ" باقی ہے ماشاء اللہ ہوگا"۔

تیسری مرتبہ فراہ مبارک میں تعین کے ساتھ تکرار میں مقصود یہ تھا کہ کسی کو امام کی مہدیت اور بندگی میاں سید خوندمیر کی صدیقیت میں کوئی شک نہ رہے (شواہد الولایت ص ۱۳۷)

ناگور میں جب امام علیہ السلام نے فالذین ھاجروا الخ تلاوت فرما کر ان چاروں صفتوں کو اپنی ذات سے متعلق کرتے ہوئے اپنی ذات کی مہدیت کی حجت کے طور پر پیش فرمایا اور تین صفتوں کے متعلق یہ فرمایا کہ ان کا ظہور ہو چکا ——— چوتھی صفت جو باقی رہ گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی امام کی ذات سے ہی متعلق تھی لیکن اس وجہ سے کہ . . . . . خاتم ولایت محمدیہ پر کوئی قادر نہیں ہو سکتا بندگی میاں کے حوالے کر دی گئی تھی اور لفظ محبت تو یہ بتا رہا ہے کہ علی وجہ الکمال اسکا ظہور ہو، شخص خاص سے ہو اور اسی طرح پر ہو جس طرح پر کہ اگلی تین صفتوں کا ظہور ہوا تھا۔

امام علیہ السلام سے تین صفتوں کا جو ظہور ہوا وہ اولاً اور اصلاً تھا، آپ کے ساتھ اور دوسرے لوگ جو ان تین صفات کے ظہور میں شریک تھے۔

وہ ثانیاً اور تبعاً تھے۔ اس جماعت کے سردار تو آپ ہی تھے۔ جماعت کی وجہ سے سردار کو نہیں بلکہ سردار کی وجہ سے جماعت کو تبعاً ان تین صفات کا شرف ملا تھا۔ چوتھی صفت کو بھی امام علیہ السلام سے ادا ہونا چاہیئے تھا لیکن یہ بنائے حکم خداوندی اس کا بار بندگی میاں پر رکھا گیا تھا۔ اس طرح اولاً اور اصولاً اس صفت کو بندگی میاں سے ہی ادا ہونی چاہیئے بحیثیت بدل مہدی۔ اور آپ کے ساتھ جو لوگ شریک قتال تھے ان کو اس صفت کا شرف آپ کی وجہ سے ملا تھا جو ثانوی اور اضافی حیثیت کا تھا۔ پہلی تین صفات میں امام علیہ السلام کا جو مقام ہے چوتھی صفت میں بندگی میاں رضی اللہ عنہٗ کا وہی مقام ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ آپ صفت کے بدل ہیں۔ اس لئے کہ صفات جیسے سفیدی، سیاہی، سخاوت، شہادت وغیرہ بغیر موصوف کے کہیں پائے ہی نہیں جاتے۔ اس لئے کہ یہ اعراض ہیں، اور عرض بغیر جوہر کے کہیں نہیں پایا جاتا۔ ان کا وجود جہاں کہیں ہوگا کسی نہ کسی جوہر کے ساتھ ہی ہوگا مثلاً سفید آدمی، سیاہ دل وغیرہ جب ان اعراض کا پہلے ہی بغیر کسی جوہر کے وجود نہ ہو تو پھر ان کا بدل کیسے ہو سکیگا۔ بدل تو اس کا ہوگا جس کا خود ایک وجود بھی ہو۔ اسی طرح قتال ایک صفت ہے جس کا وجود اور ظہور کسی نہ کسی شخص سے ہوگا۔ اگر کسی وجہ سے ایک شخص سے اس کا ظہور نہ ہو تو دوسرے شخص سے ہو سکیگا۔ اور یہ دوسرا شخص پہلے شخص کا بدل ہوگا پس صفت کا بدل ناممکن ہے۔ ہاں صفت والے کا بدل ممکن ہے اور قتال کی صفت والی ہستی امام علیہ السلام تھے آپ نے حضرت بندگی میاں کو اپنا بدل بنایا ہے اس لئے یوں کہا جائے گا کہ اس چوتھی صفت میں بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہ امام علیہ السلام کے بدل ہیں۔

(۱۰) یار بشکست از ہمہ عالم برائے یار ہ
آرئے برائے یار دو عالم تواں شکست
(مولود صفحہ ۱۱۶)

دوست کی خاطر تمام دنیا سے رشتہ توڑنا چاہیئے
ہاں یار کیلئے دونوں عالم سے منقطع ہو سکتے ہیں۔

یہ شعر بھی امام علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلا ہے اسکے مخاطب حضرت بندگی میران سید محمود ثانی مہدی رضی اللہ عنہ ہیں واقعہ یہ ہے کہ جب

حضرت بندگی میراں سید محمود ثانی مہدی رضی اللہ عنہ جو حضرت بندگی شاہ خوندمیر اور بندگی شاہ نعمت و دیگر مہاجرین کے ساتھ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے تو فرح کا پہنچنے سے پہلے میاں شیخ محمد کبیر کو خوشخبری سنانے کیلئے حضرت امام کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا۔ اس وقت امام علیہ السلام بی بی بون جی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ امام کو مسرور نہ دیکھ کر فرمایا کیا میراں کو فرزند کے آنے کی خوشی ہوتی ہے تو امام نے فرمایا" ہاں بیٹا بیٹا ہو کر آتا ہے کیوں کہ خوشی نہ ہو گی"

شواہد الولایت میں امام علیہ السلام کا جواب اس طرح منقول ہے۔

جس کا پوت پوت ہو کہ آوے ؎ اسے کا ہے خوشی نہ ہووے

اِسکے بعد جب امام علیہ السلام سے ثانی مہدی کی ملاقات ہوئی تو امام نے فرمایا:۔

بایدہ شکست از ہمہ عالم برائے یار ؎ آرے برائے یار دو عالم تواں شکست

واضح باد کہ قبل از یں میراں سید محمود امام علیہ السلام سے رخصت پا کر دربار شاہی میں ملازم تھے اور آپ کی حیثیت کا سب کی تھی۔

جب نصر لویہ سے امام علیہ السلام نے چند اصحاب کو گجرات روانہ فرمایا تو میراں سید سلام اللہ نے میراں سید محمود کو ایک خط لکھ کر شاہ خوندمیر کے ہاتھ میں دیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کیا لکھے ہو پڑھو۔ میاں سید سلام اللہ نے خط پڑھا" وہاں کیا بیٹھے ہو، بدیگانے آکر بہرہ ولایت لے جا رہے ہیں تمہارے لئے اس ذات اور محمدؐ کی ولایت کے بہرہ سے دور رہنا جائز نہیں ہے۔ شہر ٹھٹھہ میں چوراسی اشخاص وفات پائے ان سب کے حق میں امام نے اولوالعزم پیغمبروں کے مقام کی بشارت دی ہے۔۔ اللہ نے عام دستر خوان کھول دیا ہے اور اپنی رحمت کی نظر سے دیکھ رہا ہے جو شخص مرتا ہے مرنے والے کی کیا ہی نیک بختی ہے۔ اس خط کو سنکر امام علیہ السلام نے فرمایا اس خط کو پھاڑ دو اور دوسرا خط ایسا لکھو" سید محمد جاپانیر میں ہے اور میراں سید محمود ٹھٹھ میں ہیں تین بار فرمایا۔ ادھر میراں سید محمود نے خواب دیکھا کہ حضرت خاتمین نے میراں سید محمود کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا" اٹھو یہ تمہاری جگہ نہیں ہے" جب بیدار ہوئے تو خود کو گھر کے دروازے پر کھڑا پایا وہیں کھڑے ہو کر شمشیر اور قرآن منگوالیا اور بی بی سے فرمایا بندہ میراں کی خدمت

میں جارہا ہے تم اپنے باپ کے گھر جاؤ۔ بی بی بھی آپ کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگئیں میراں سید محمود نے اپنا سب مال و اسباب بیچ کر قرضوں اور ملازموں کی تنخواہ سے سبکدوشی حاصل کرلی اور بعزم فراہ روانہ ہوگئے۔ پانچ چھ منزل یعنی رادھن پور میں زادراہ ختم ہوگیا تھا۔ شاہ خوندمیر کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو آپ نے راستہ بھر بڑی خدمت کی اور منزل مقصود کو پہنچایا۔

ملاقات پر امام علیہ السلام نے جو شعر پڑھا اس کا مطلب یہ ہے کہ دوست (خدا) کی خاطر انسان کو تمام عالم سے منقطع ہوجانا چاہیئے۔ تب کہیں جاکر اسے مقصود (خدا) حاصل ہوگا۔ جب تک دل میں دنیا کی محبت رہیگی اس وقت تک خدا کا حصول مشکل ہے۔ جسطرح ایک برتن میں ایک ہی چیز کی گنجائش ہے اسی طرح ایک دل میں ایک کی محبت ہی سماتی ہے۔ اگر دنیا کی محبت ہوگی تو خدا کی محبت نہ ہوگی اور اگر خدا کی محبت سے دل لبریز ہوگا تو دنیا کی محبت سے دل خالی ہوگا۔ چونکہ یہاں میراں سید محمود شاہی ملازمت سلطانی اکرام و انعام اور بادشاہ کی جانب سے عطا کردہ جاگیریں وبیرم گام (وسط گجرات) اور سانچور (ملک مارواڑ) چھوڑ کر آئے تھے اسلئے امامؑ نے فرمایا کہ ہاں دوست (خدا) کی خاطر عالم اور عالمیات سے منھ موڑنا چاہیئے اور یہ مشکل بھی نہیں اگر دوست کی محبت نے دل پر قبضہ کرلیا ہے تو انسان کیلئے ساری فانی الفتوں اور خونی رشتوں کو توڑنا آسان ہوجاتا ہے۔

۱۱) توں مجھ لوڑ نلوڑ ہوں تجھ لوڑ تہار | تو مجھ کو چاہ یا نہ چاہ میں تجھ کو چاہنے والا ہوں۔

(حاشیہ ۲۶۱)

یہ مصرعہ بھی امام علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلا ہے اور اسکے مخاطب حضرت بندگی شاہ نعمت ہیں۔ جب حضرت شاہ نعمت بتقاضائے بشریت رنجیدگی کی وجہ جنگل کی ایک مسجد کی طرف چلے گئے تو امام علیہ السلام نے خود جاکر ان کا ہاتھ پکڑکر اٹھایا اور یہ کہکر تسلی دی ع تم مجھے چاہو نہ چاہو میں ہوں تمہارا خواستگار واقعہ یہ ہے کہ شہر ٹھٹھ سے جب امام علیہ السلام نے حضرت شاہ نعمت کو آئندگان رابیارید (آنے والوں کو ساتھ لاؤ) اور حضرت شاہ خوندمیر کو در رفتن شما چیزے مقصود خدا است (تمہارے جانے میں کچھ مقصود خدا ہے) کہہ کر روانہ فرمایا تو کسی نے کہا

میراں جی میاں سب خوندمیر کو نہیں بھیجنا چاہئے کیونکہ ان کے قرابت دار انہیں واپس آنے نہیں دینگے تو امام علیہ السلام نے جواب دیا" بندہ خدا کے حکم سے بھیجتا ہے اپنے دین کو روشن کرنے کیلئے خدا خود ان کو لائیگا۔

بندگی میاں رضی اللہ عنہ بیراں پٹن میں قیام فرما ہوئے اور حضرت شاہ نعمت احمد آباد میں موضع تاجپور میں احمد شاہ قدن کے پاس — گجرات سے مراجعت کے دوران راجے سون نے شاہ خوندمیر کے ذریعہ اور راجہ مرادی نے شاہ نعمت کے ذریعہ امام کی خدمت میں فتوحات روانہ کی تھیں۔

اِدھر میراں سید محمود امام سے ملاقات کے شوق میں ملازمت سے سبکدوش ہوکر پانچ چھ منزل کا سفر طے کر لیا تھا۔ رادھن پور میں پہلے شاہ نعمت نزول فرما ہوئے پھر میراں سید محمود تشریف لائے پھر شاہ خوندمیر میراں سید محمود نے شاہ نعمت سے کچھ رقم بطور قرض حسن طلب فرمائی اس لئے کہ آپ کے پاس سفر خرچ بہت کم رہ گیا تھا جسکی وجہ سفر جاری رکھنا مشکل ہوگیا تھا اور آپ کو یہ معلوم تھا کہ شاہ نعمت کے پاس امام کے نام کی بہت سی فتوح، تحفے تحائف اور نقد روپیہ موجود ہے، جس میں سے شاہ نعمت ان لوگوں پر بھی خرچ کر رہے تھے جو امام کی خدمت میں جانا چاہتے تھے جن کی تعداد ۴۰ اور بروایتے ۶۰ تھی۔ شاہ نعمت نے یہ کہہ کر انکار کر دیا" بندے کے پاس بھی سفر خرچ تھوڑا رہ گیا ہے اور میراں جی کی جو فتوح ہے اس میں یہ بندہ کیسے خیانت کریگا۔ اسکے بعد شاہ خوندمیر تشریف لائے۔ واقعہ کی اطلاع ملنے پہ آپ نے سب کچھ میراں سید محمود کے سامنے رکھدیا اور فرمایا اس میں سے خرچ کرتے ہوئے چلو۔ اس طرح سب مل کر فراہ مبارک پہنچے۔

امام علیہ السلام سے ملاقات کے بعد میراں سید محمود نے واقعہ بیان کیا کہ شاہ نعمت نے دوران سفر رقم دینے سے انکار کر دیا، اگر بھائی سید خوندمیر امداد نہ کئے ہوتے تو بندہ کی ہڈیاں بھی حضرت تک نہ پہنچ پاتیں۔ امام نے شاہ خوندمیر کے متعلق فرمایا وہ کیوں کر تائید نہ کرتے وہ تو تمہارے حقیقی بھائی ہیں۔ اور شاہ نعمت سے فرمایا کیا گجرات کا مسئلہ یاد نہیں آیا جو عام طور پہ گجرات میں کسی کو کوئی چیز دینی ہو تو کہتے ہیں" کیا تیرے باپ کا مال ہے"۔

یہ سُن کر شاہ نعمت رنجیدہ ہوئے، اور جنگل کی ایک مسجد کی طرف چلا گئے۔ امام علیہ السلام نے وہاں کہا کہ آپ کی دلجوئی کی اور فرمایا تم مجھے چاہو تو چاہو ہوں تمہارا خواستگار اس پورے واقعہ میں تین باتیں غور طلب ہیں۔

(۱) ــــــ حضرت شاہ نعمت کا رقم دینے سے انکار کرنا۔

(۲) ــــــ حضرت شاہ خوندمیر کا سب کچھ دے دینا۔

(۳) ــــــ امام علیہ السلام کا فیصلہ۔

امر اول کی توضیح:- چند لوگوں نے امام علیہ السلام کے نام فتوح شاہ نعمت کے پاس دی تھی جو آپ کے پاس امانت تھی۔

جب میراں سید محمود نے اس کا مطالبہ کیا (اگرچہ بطور قرض ہی سہی) تو شاہ نعمت نے اس کو خلاف عالیت جانا کہ باپ کی رقم بیٹے کے حوالے کی جائے۔ خصوصاً جبکہ میراں سید محمود کے بارے میں شاہ نعمت کو اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ آپ ترکِ دنیا کر کے میراں علیہ السلام کی خدمت میں جا رہے ہیں۔ شاہ نعمت تو یہی سمجھ رہے تھے کہ میراں سید محمود حالت کسب میں ہیں۔

جہاں تک شاہ نعمت کی ذاتی رقم کا معاملہ تھا سو آپ نے صاف کہدیا تھا کہ آپ کے پاس ہی سفر خرچ بہت تھوڑا رہ گیا ہے ــــــ ممکن ہے احمد شاہ قدن نے جس کے دائرہ میں شاہ نعمت تشریف فرما تھے اور جس کے متعلق شاہ نعمت نیک گمان رکھتے تھے، میراں سید محمود کے خلاف شاہ نعمت کے کان بھرے ہوں۔ احمد شاہ قدن کے بارے میں شاہ نعمت نے شاہ خوندمیر اور میراں سید محمود سے بحث بھی کی تھی اور کہا تھا بعد ہجرت کسی کیلئے مہدیؑ کی صحبت سے علیحدگی اختیار کرنا روا نہیں ہے۔ البتہ احمد شاہ قدن کیلئے روا ہو سکتا ہے۔

حالانکہ امام علیہ السلام کے سامنے جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے اسے سر منافق کہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ قرین قیاس ہے کہ میراں سید محمود کے بارے میں شاہ نعمت کی رائے کو مسموم کرنے میں احمد شاہ قدن کا ہاتھ زیادہ رہا ہو۔

شاہ نعمت کے سامنے یہ ضابطہ بھی تھا کہ مہاجرین کی ولایت میں سے غیر مہاجرین کو کچھ بھی نہیں مل سکتا مالھم من ولایتھم من شیئٍ حتیٰ یہاجروا۔

امام کی فتوح جوں کی توں امام کی خدمت میں پہنچانا آپ کے پیش نظر تھا اور اس میں کمی بیشی کو آپ نے خلافِ اصول امانت و دیانت سمجھا تھا۔ نیز آپ کے ساتھ آنے والوں پر یعنی آپ کی سرکردگی میں جو جماعت امام علیہ السلام کی خدمت میں جا رہی تھی اس پر شاہ نعمت خرچ کر رہے تھے۔ میراں سید محمود قافلہ کے ساتھ مگر علیحدہ رہ کر جانا چاہتے تھے۔ ان وجوہات کی بناء پر شاہ نعمت نے کہا "مال میرے پاس امانت ہے۔ بندہ امانت میں خیانت نہیں کرتا۔ اس جواب پر میراں سید محمود کی رنجیدگی فطری تھی لیکن اس کا سبب یہ نہیں کہ مطلوبہ مال نہیں ملا۔ بلکہ اس لئے کہ امام کی خدمت میں پہنچنے کی سبیل مسدود نظر آ رہی تھی، کم از کم تاخیر تو ضرور ہو رہی تھی جس کی وجہ قافلہ کا جس میں شاہ خوندمیر اور شاہ نعمت مع جماعت کثیر تھے، آگے بڑھ جانا یقینی تھا اور میراں سید محمود کو تنہا سفر کرنا پڑتا تھا۔

امر دوم کی توضیح: شاہ خوندمیر کا سب کچھ حوالے کر دینا اس وقت کے حالات کے تقاضے کے تحت تھا۔ جو قابلیت تھا یہی ایک صورت تھی جس کے ذریعہ میراں سید محمود قافلہ کے ساتھ میراں علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ سکتے تھے۔ شاہ خوندمیر کو یقین تھا کہ آپ کی شہادت میراں علیہ السلام کے وصال کے بعد ہو گی پس آپ نے میراں علیہ السلام کی فتوح میراں سید محمود کے حوالے کر دی اس اُمید پر کہ حضور ولایت مآب سے منظوری حاصل کر لی جا سکتی تھی۔

شاہ خوندمیر کے پاس میراں علیہ السلام کی فتوح کے علاوہ خود آپ کو دی ہوئی فتوح بھی بسیار تھی۔ چنانچہ شاہ نعمت کی طرح آپ نے یہ نہیں کہا کہ میرے پاس سفر خرچ بہت تھوڑا رہ گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے پاس فتوح بہت تھی۔

اگر آپ صرف اپنی فتوح میں سے میراں سید محمود کو دیتے تو شاید میراں سید محمود کو شاق گذرتا، یا آپ کو شاہ خوندمیر کا ممنون ہونا پڑتا یا یہ خیال گذرتا کہ میں تو میرے باپ کی فتوح میں سے مانگ رہا ہوں اور یہ اپنی فتوح میں سے دے رہے ہیں۔ خصوصاً جبکہ شاہ نعمت کے سلوک سے آپ آزردہ خاطر ہو گئے تھے تو ان تشکیک کا راہ پانا دشوار نہیں تھا (سچ ہے مال کا معاملہ ہی اتنا نازک ہوتا ہے کہ معمولی سی بات پر بیسیوں قسم کی بدگمانیاں راہ پا جاتی ہیں) اِن تمام

نفسیاتی پہلوؤں پر نظر کرتے ہوئے شاہ خوندمیر نے دلجوئی اور ہمت افزائی کے طور پر کل مال آپ کے سامنے رکھدیا اور فرمایا آپ ہی اس کے مختار ہیں جیسا چاہیں خرچ کریں۔

شاہ خوندمیر کو معلوم تھا کہ میراں سید محمود امام علیہ السلام کی خدمت میں رہنے کی غرض سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے وطن سے پانچ چھ منزل آگے بڑھ چکے ہیں۔ ایسے نازک موقع پر اگر مدد نہ کیجاتی تو معاملہ کے بے ڈھب ہوجانے کا اندیشہ قوی تھا ——— شاہ خوندمیر کی رائے کو مسموم کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ احمد شاہ قدن کے بارے میں تو .... آپ کے خیالات اچھے نہیں تھے۔ بلکہ صاف الفاظ میں وہی تھے جو میراں علیہ السلام کے تھے۔

میراں سید محمود مہاجرین کی ولایت کے بھی مستحق ہوچکے تھے اس لئے کہ آپ ہجرت فرماکر چاپانیر سے رادھن پور تک کا سفر کر چکے تھے۔ قرآنی آیات سے بھی اس کا جواز شاہ خوندمیر کو مل گیا تھا ما لکم من ولایتهم من شئ کے بعد حتی یہاجروا کے الفاظ یہ بتلاتے ہیں کہ منع ہجرت سے پہلے تک ہے۔ ہجرت کے بعد کوئی ممانعت نہیں ہے۔

میراں سید محمود حاجت مند نہ ہوتے یا کم از کم مطالبہ نہ کئے ہوتے تو یقیناً شاہ خوندمیر ہرگز وہ رقم ان کے حوالے نہ کرتے۔ احتیاج اور پھر مطالبہ ——— نیز مطالبہ کا مقصد عیش و آرام، حظ نفس اور خرید و فروخت بھی نہیں تھا بلکہ امام علیہ السلام کی خدمت میں خود ان لوگوں کی معیت میں جانا تھا۔ گویا شاہ خوندمیر کے سامنے کئی چیزیں جمع ہوگئی تھیں یعنی احتیاج، مطالبہ، مصرف اور پھر فرزند اکبر۔ کہئے عقل سلیم کیا فیصلہ کرتی ہے۔ شاہ خوندمیر نے بھی وہی فیصلہ فرمایا جسکی تصدیق اور توثیق بعد کو دربار ولایت سے ہوگئی۔ خلاصہ یہ کہ شاہ نعمت نے اس کو عالیت جانا کہ حالات کچھ ہی ہوں لیکن امانت میں خیانت ٹھیک نہیں۔ امام کی فتوح کو بتوں کی توں امام کی خدمت میں پہنچادینا چاہیے۔ اور شاہ خوندمیر نے حالات کے تقاضے کے تحت امداد کو عالیت جانا۔ دونوں کے پیش نظر عالیت پر عمل کرنا تھا۔ البتہ نقطۂ نظر میں اختلاف تھا۔

امر سوم کی تشریح :۔ امام علیہ السلام نے شاہ خوندمیر کے سلوک کا حال

سُنکر یہ فرمایا وہ تمہارے حقیقی بھائی ہیں۔

شاہ نعمت کے رویہ کے متعلق یہ فرمایا گیا وہ گجرات کا یہ مسئلہ بھی نہ جانے "کیا تیرے باپ کا مال ہے"۔ اس سے یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ امام علیہ السلام نے جانبداری سے کام لیا اور شاہ خوندمیر کی تائید کی اس لئے کہ آپ نے فرزند کی تائید کی تھی۔ نیز آپ نے شاہ نعمت کیلئے کبھی زجرہ و توبیخ کا پیرایہ استعمال نہیں فرمایا۔

صرف واقعہ کی طرف اشارہ کرہ یا وہ بھی ایک گجراتی مثال کے ذریعہ سے۔

۱۳) ہر کہ دلارام دید از دلش آرام رفت | دیکھا جو دلارام تو پایا نہ پھر نہ آرام
یا ز نیاید پدید ہر کہ درین دام رفت | واپس نہ ہوا جس سے کوئی ہے یہ ہی دام

(شواہد ص ۲۱۷)

یہ شعر بھی آنحضرت کی زبانِ مُبارک سے نکلا ہے۔ جس وقت آپ قندھار سے نکل کر قصبہ دلارام پہنچے آپ نے یہ شعر پڑھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قصبہ کا نام "دلارام" جو رکھا گیا تھا اسکی وجہ وہاں کی فرحت بخش آب وہوا، رنگین مناظر، دلکش نظارے اور کئی ایسی دل خوش کن چیزیں تھیں جن سے انسان کو راحت محسوس ہوتی ہو، چونکہ وہاں بے چین دل کو آرام ملتا تھا اس لئے اس مقام کا نام دلارام رکھدیا گیا تھا ظاہر ہے کہ وہ بہت آباد اور بارنگ و رونق بھی رہا ہوگا۔ اسی لئے امام علیہ السلام نے فرمایا "جو دلارام کو دیکھا اس کے دل سے آرام رخصت ہوگیا۔ اس لئے کہ یہاں عیش و آرام اور حظ نفس کے وہ سامان ہیں کہ ان کی محبت میں گرفتار ہو جانے کے بعد انسان ان کے حصول میں اسطرح کوشاں رہتا ہے کہ اس پر آرام حرام ہو جاتا ہے لہو ولعب، زینت و زیبائش تفاخر آرائش کی فضاؤں میں پرورش پانے کے بعد انسان کی خواہش یہی ہوگی کہ جتنا ہوسکے دنیا سمیٹ لے آرام دہ چیزیں جو مل سکتی ہوں انہیں بہر قیمت حاصل کرے اور عیش کی داد دے اس طرح انسان ضروریات سے گذر کر آسائشات اور تعیشات کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب اسے فرصت کہاں بقول غالب

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے ؛ بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

چنانچہ دوسرے مصرعہ میں اسی کی توضیح کرتے ہوئے ایسے جال سے تشبیہ دی کہ جس طرح جال میں ایک مرتبہ پھنس جانے کے بعد نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے اسی طرح اس قصبہ میں دل کے پھنس جانے کے بعد نکلنا ناممکن ہے اگر کسی وجہ سے وہاں سے نکل بھی جائے تو کیا ہوگا دل تو اسی طرف مائل ہوگا ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں خدا طلبی کس کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے۔

اسی طرح امام علیہ السلام نے احمد آباد کی آبادی، چہل پہل اور رنگ رونق کو دیکھ کر فرمایا تھا یہ گدھوں کی جنت ہے۔

مشاہدہ بھی ہے کہ بڑے شہروں میں رہنے والوں کا دل دوسرے مقامات پر بہت کم لگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وطن پرستی یا مقام دوستی کی اس فضا میں ہجرت کا کس کو خیال بھی ہو سکتا ہے۔ یاد رہے کہ دل کا آرام الگ بات ہے اور اطمینان قلب الگ۔ دل کو آرام دنیاوی چیزوں ..... کی فراوانی، تن آسانی اور خواہشات کی تکمیل سے ملتا ہے جو ممنوع ہے اور اطمینان قلب کا حصول سوائے ذکر اللہ کے ناممکن ہے۔ اور یہی مقصود ہے۔ آیت قرآنی

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب — آگاہ ہو جاؤ کہ ذکر اللہ سے ہی قلوب اطمینان پاتے ہیں اسی جانب مشیر ہے۔

۱۳) علمی بطلب کہ با تو ماند — ایسا علم طلب کر جو تیرے ساتھ رہے
آندم کہ ترا ز تو رہاند — اور وہ دم جو تجھے خود تجھ سے رہائی دے
تا علم فریضہ را نخوانی — تو جب تک علم فریضہ نہ سیکھیگا
تحقیق صفات حق ندانی — حق کی صفات کی تحقیق نہ جانے گا

(شواہد ص۲۳۳)

یہ ابیات امام علیہ السلام کی زبان مبارک پر جاری ہوئے ہیں اور مخاطب ملک معروف صحابی مہدی اور میاں نظام غالب ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک روز ملک معروف صحابی نے میاں نظام غالب سے فرمایا آپ نے کچھ پڑھا ہے اگر ذکر کے بعد کوئی علمی کتاب پڑھوں تو کیا مضائقہ ہے، میاں نظام نے کہا بہتر ہے۔ ملک معروف نے کہا میں جو کچھ کرتا ہوں امام کی اجازت سے کرتا ہوں آؤ ہم اجازت حاصل کر لیں۔

ہر دو صحابہ آپ کی خدمت میں آئے۔ بغیر استفسار کا موقع دئے امام علیہ السلام دونوں سے مخاطب ہوکر یہ ابیات پڑھے۔

ان ابیات کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اگر کتابی علم حاصل کرنے کی ضرورت ہی ہے تو وہ علم حاصل کرنا چاہئے جو اسکے ساتھ رہے، اور اسکو اسکے مقصد حیات تک رہبری کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہی علم علم نافع کہلائے گا۔ اس کے برخلاف جو علم صرف فن کے نقطۂ نظر سے حاصل کیا جائیگا وہ بے مقصد ہوگا۔ اس سے صرف موشگافیانہ ذہنیت عروج پائے گی، اور تمام علوم میں علم نافع وہ علم ہے جو انسان کو اس کے مقصد سے آگاہ کرتا ہو، اور انسان کی پیدائش کا مقصد اصلی معرفت خدا ہے۔ چنانچہ امام علیہ السلام نے قرآنی آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (نہیں پیدا کیا میں نے جن اور انسان کو مگر عبادت کیلئے) کی تفسیر اِلَّا لِيَعْرِفُوْنَ مگر (معرفت کیلئے) سے کی ہے۔ اس لحاظ سے وہ علم جو انسان کے ساتھ ہمیشہ رہنے والا ہے وہ علم معرفت خدا ہے جس کا حاصل کرنا فرض ہے۔ اسکے بعد امام علیہ السلام نے ذکر کی طرف کی رہبری فرمائی ہے کہ اس کے ساتھ اس وہم کا خیال رکھو جو تمکو تم سے نجات دیتا ہو یعنی ذکر اس طرح کرو کہ فنائے تام کا مقام حاصل ہو۔ تعینات کے دبیز پردے چاک ہو جائیں اور ہستی کی قید اور بشریت کی حد سے تم آزاد ہو جاؤ۔ پھر آپ نے تحصیل علم کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا جب تک یہ علم معرفت جو فرض ہے حاصل نہ کروگے یاد رکھو کہ صفات حق کی تحقیق تمہارے بس کی بات نہ ہوگی۔

عام طور پر جہلائے نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ مہدویہ کے پاس تحصیل علم کی ممانعت ہے، طبقہ معاندین نے ان روایات کو جن میں بعض کتب کے مطالعہ سے منع کیا جانا منقول ہے، خوب اچھالا ہے تاکہ ایک طرف عوام کو یہ غلط باور کرادیں کہ یہ مذہب علم کا دشمن ہے اور نتیجتاً اس کے ماننے والے جاہل ہیں اور دوسری طرف خود مہدویوں میں جو لوگ کم استعداد کے ہوں! ان کے غلط پروپیگنڈہ کا شکار ہو کر علم حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ شخصی یا خصوصی حکم کو مذہب کی بنیاد سمجھ لیا گیا ہے!! حالانکہ یہ بات مشہور خاص و عام ہے کہ حکم خاص جو اکثر خاص موقع، خاص محل،

طبیعت سائل، رسوم و رواج زمانہ اور زمانے و وقت کا تابع ہوتا ہے حکم عام کو منسوخ نہیں کرتا۔ حکم عام کے مقابلہ میں حکم خاص کی حیثیت ہی کیا ہے ۔ حکم خاص تو صرف اس شخص کیلئے حجت ہو گا جس کیلئے حکم دیا گیا ہو۔ اس سے عوام کو کیا تعلق؟ اور وہ مذہب کی بُنیاد کیسے ؟۔

علم کے بارے میں مہدویہ کے پاس حکم عام کیا ہے امام علیہ السلام کے اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے "علم لابدی (ضروری) چاہیئے تاکہ نماز، روزہ اور اسکے مانند دیگر افعال و اعمال درستی کے ساتھ ادا ہوں ۔ نیز فرمایا کہ معانی قرآن کو سمجھنے کیلئے نور ایمان کافی ہے" کیا اب بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ مہدویہ کے پاس علم کی ممانعت ہے ۔

رہیں وہ نقلیات جن سے بظاہر یہ سمجھا گیا کہ یہ تحصیل علم کی ممانعت پہ دلالت کرتی ہیں حق تو یہ ہے کہ ان پر کما حقہٗ غور نہیں کیا گیا۔ اس لئے کہ ان میں جو حکم ہے وہ عام نہیں ہے ۔ بلکہ خاص افراد اور مخصوص کتب سے متعلق ہے ۔ ممانعت بھی کیگئی ہے تو اس سے افضل و اعلیٰ چیز کی طرف رہبری کیگئی ہے اور منع کیوں کیا جا رہا ہے اس کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے ۔

چنانچہ نقل ہے کہ ایک روز میراں سید محمود ایک کتاب اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے، امام نے دریافت فرمایا کونسی کتاب ہے ۔ جواب دیا تمہید ۔ آپ نے فرمایا ذکر کی کوشش کرو تاکہ ایسی حالت پیدا ہو کہ تم اس کو سمجھ سکو ۔

اسی طرح نقل ہے کہ امام نے میاں نظام صحابی امام کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی فرمایا یہ کیا کتاب ہے عرض کیا میراں جی یہ میزان ہے آنحضرت نے فرمایا مت پڑھو ۔ پھر چند روز کے بعد حضرت نے دیکھا اور منع فرمایا ۔ پھر ایک مدت کے بعد حضرت میراں نے فرمایا کہ اے میاں نظام کچھ علم پڑھو۔

ان دونوں روایتوں سے حسب ذیل امور مستخرج ہوتے ہیں۔

۱) امام علیہ السلام نے میراں سید محمود کے ہاتھ میں تمہید اور شاہ نظام کے ہاتھ میں میزان یا یہ وہ اپنے کنز دیکھی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں صحابی اتنے پڑھے لکھے تھے کہ تمہید اور کنز پڑھ سکتے تھے ۔

۲) امام نے انہیں منع فرمایا ۔ ظاہر ہے کہ یہ ممانعت تحصیل علم سے نہیں تھی۔

اس لئے کہ وہ دونوں خود صاحب علم تھے اور اس ممانعت میں عمومی حکم بھی نہیں پایا جاتا بلکہ یہاں خاص حالات کے تحت، خاص مقصد کے پیش نظر، خاص اشخاص کو، خاص کتب کے مطالعہ سے منع کیا گیا ہے۔

واضح باد کہ تحصیل علم اور چیز ہے، مطالعہ کتب اور "علم ضروری چاہئے" سے تحصیل علم ضروری کی تاکید معلوم ہوتی ہے، مطالعہ کتب تو باوقات فرصت کیا جاتا ہے تاکہ معلومات میں اضافہ ہو۔

(۳) منع مطلقاً نہیں تھا — اس لئے کہ پہلی روایت میں فرمایا کہ "ذکر کی کوشش کرنا تاکہ ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ تم اس کو سمجھ سکو" پس منع اس لئے کیا گیا تھا اس وقت قاری میں مطالب کو اچھی طرح سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ دوسری روایت میں پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ یعنی نہروالہ اور ناگور میں میاں شاہ نظام کو روکنا اور پھر فرہ میں اجازت دینا بھی اسی جانب مشیر ہے کہ اس وقت صلاحیت نہیں تھی اور بعد میں صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔ یا یہ کہ وہ کتابیں دونوں کیلئے اس وقت موزوں نہیں تھیں۔ ظاہر ہے کہ ان روایتوں کو تحصیل علم کی ممانعت پر وہی شخص استدلالاً پیش کر سکتا ہے جو مکابرہ، مجادل منطقی اور متکلم ہو۔ جس کا کام ہمیشہ حق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا ہوتا ہے تاکہ اسکے استدلالی جذبہ کی تسکین ہو سکے۔ اسی لئے امامنا علیہ السلام نے شاہ نعمت کو خاص طور پر فرمایا اگر تم پڑھے لکھے ہوتے تو بندہ کو قبول نہ کرتے۔

یوں بھی امام علیہ السلام کی مخالفت سب سے زیادہ علماء کے طبقہ نے ہی کی جن کا دماغ تو کسی علم سے روشن ہو گیا تھا لیکن نور ایمان (علم وہبی) کے فقدان سے دل ہنوز تاریک ہی تھا۔

شواہد الولایت میں امام علیہ السلام سے منقول ایک روایت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے مبتدیوں اور منتہیوں کے استعداد کے پیش نظر ایک باقاعدہ نصاب تجویز فرمایا ہے۔ چنانچہ نقل ہے "آنحضرت نے فرمایا کہ اگر ہمارے لوگ کتابیں پڑھیں تو بندی کو چاہئے کہ شیخ نور کی کتاب "انیس الغرباء" اور شیخ شمس الدین کا رسالہ "مرغوب القلوب" پڑھے، اور منتہی کو چاہئے کہ سادا جیبن

کا کلام زاد المسافرین اور نزہتہ الارواح پڑھے - (شواہد الولایت صد ۱۵۷)

کیا اب بھی کسی کو لب کشائی کی گنجائش ہے ۔؟؟

۱۴) الا یا ایُّھا الساقی ادر کاسًا وناولہا
که عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

حافظ کے اس شعر کے جواب میں امام علیہ السّلام نے فرمایا۔

الا یا ایھا الساقی ادر کاسًا وناولہا
که عشق مشکل نمود اول ولے افتاد اسہلہا (شواہد صد ۲۵۷)

حافظ کے شعر کے دوسرے مصرعہ میں عشق کی نسبت یہ بیان کیا گیا ہے کہ پہلے پہل عشق آسان دکھائی دیتا ہے لیکن بعد میں اس میں بیسیوں مشکلیں در پیش ہوتی ہیں۔

امام علیہ السلام نے اس مصرعہ کے مضمون کی تصحیح، مصرعہ میں موجود الفاظ کے معمولی رد و بدل سے اس طرح فرمائی کہ دونوں کے مطالب میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہوگیا۔

حافظ کے مصرعہ میں عشق کی تفہیم کے بارے میں ایسا پیرایہ بیان اختیار کیا گیا ہے جسکی وجہ سے طبیعتوں میں توحش کا پیدا ہوجانا یقینیات سے ہے، اس کو پڑھنے کے بعد میدانِ عشق میں قدم رکھتے ہوئے ہر شخص خوف محسوس کرتا ہے کہ نہ معلوم آئندہ کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ گویا یہ تعلیم ایک لحاظ سے "ترہیب" کا پہلو لئے ہوئے ہے امام علیہ السلام نے اسکی تصحیح اس طرح فرمائی کہ عشق ابتداء میں مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن جب بندہ دل کی پختگی اور عزمِ صمیم کی رہنمائی میں آگے بڑھتا ہے تو اسے بیسیوں سہولتیں فراہم ہوجاتی ہیں۔ بقول غالبؔ

رنج کا خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج ؛ مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آسان ہوگئیں

امام علیہ السلام کے اس مضمون میں ترہیب کے بجائے ترغیب کا عنصر غالب ہے۔ بلکہ عشق کے میدان میں قدم رکھنے کی ہر شخص کو دعوت ہے۔

حافظ کا شعر اولیاءِ پیشین کے اختیار کردہ روش پر مبنی ہے۔ اولیاءِ پیشین نے دور کا راستہ اختیار کیا تھا یعنی بجائے بے اختیار ہونے کے اپنی جانب سے چند

حلال چیزوں کو بھی خود پر حرام قرار دے لیا تھا۔ اسی کو حافظ مشکلہا سے تعبیر کر رہے ہیں۔ امام علیہ السلام نے بے اختیار ہونے کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا بے اختیار ہو جا اختیار شوم ہے — نیز فرمایا بے اختیار بختیار۔

شواہد الولایت کی مندرجہ ذیل روایت اسی مضمون کی توضیح کرتی ہے۔

"آنحضرت نے فرمایا کہ ہمارے بھائی کس لئے نزدیک کا راستہ چھوڑ کر گردش کے راستے سے منزل مقصود کو پہنچے۔ صحابہ نے کہا میراں جی وہ نزدیک کا راستہ کونسا ہے؟ اور گردش کا راستہ کونسا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کیوں یہ لوگ خدائے تعالیٰ کے راستہ میں بے اختیار نہیں ہوگئے۔ شرع محمدی کی موافقت کے ساتھ، جو خدا تک پہنچنے میں نزدیک کا راستہ ہے کس وجہ سے انہوں نے اپنے اختیار سے عمر تمام روزے رکھے اور مباحات کو ترک کیا اور بعض تو کنوئیں میں سر نیچے کئے ٹانگیں اوپر کئے کئی سال تک لٹکے رہے۔ خدا نے تو ایسا نہیں فرمایا تھا اپنے اختیار سے انہوں نے گردش کا راستہ کیوں اختیار کیا۔ کیوں بے اختیار نہیں ہوگئے اور بارہ سال کی مدت کے تعین کے تھا جو روزے رکھے تمام عمر توکل کا روزہ کیوں نہیں رکھا جو حکم خدا ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ پر مبنی تھا۔" ص ۲۵۱، ۲۵۲ خلاصہ یہ کہ حافظ کے شعر میں جن مشکلات کا پیش ہونا بیان کیا گیا ہے۔ وہ اختیار کا نتیجہ ہے۔ امام علیہ السلام نے جن آسانیوں کی طرف رہبری فرمائی ہے وہ بے اختیاری کا لازمہ ہے۔

واضح رہے کہ امام علیہ السلام کے پیش نظر صرف مضمون کی تصحیح تھی قافیہ و ردیف کی نہیں۔

۱۵) ہر آں کو غائب است و یک زماں است	جو کوئی حق سے غائب ایک زماں ہے
دراں دم کافر است اما نہاں است	ہے کافر اس گھڑی لیکن نہاں ہے

(شواہد ص ۲۳۷)

یہ بیت بھی امام علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلا ہے جس میں ذکر اللہ کی فرضیت اور اہمیت کا بیان ہے مطلب یہ کہ مومن کو کسی لمحہ خدا سے غفلت روا نہیں ہے۔ کیونکہ مومن کامل کی یہی شان ہے۔ اور ہر اس لمحہ میں جس میں کہ وہ خدا سے غافل رہا ہو اپنے آپ کو یہ سمجھے کہ وہ صفت ایمان سے خالی ہو گیا ہے۔ یہ ایک تشدیدی اور تغلیظی حکم ہے جو نماز کین فرض ذکر اللہ کے حق میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ

نہیں ہوتا کہ نفس ایمان بھی اس سے نکل جاتا ہے نفس ایمان تو کلمہ طیبہ اور تصدیق امام سے حاصل ہو جاتا ہے ـــــــــ واضح ہو کہ کفر کے معنی حق پوشی کے ہیں اور اس کے مختلف مدارج ہیں۔ حق پوشی عمر بھر کی بھی ہو سکتی ہے، اور ایک دم کی بھی پس جس طرح کافر کا اطلاق اس شخص پہ کیا جاتا ہے جو عمر بھر حق پوش رہا ہو اسی طرح اس شخص پر بھی کیا جا سکتا ہے جو ایک دم کیلئے حق پوش رہا ہو۔ پہلے شخص کی حق پوشی زمانہ کی درازی کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے اور دوسرے شخص کی حق پوشی چونکہ ایک دم کی ہوتی ہے اسلئے نہاں اور پوشیدہ رہتی ہے۔ اس سے قطع نظر کافر یہاں اپنے اصطلاحی معنی میں مستعمل نہیں ہے۔ اس کا استعمال ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث رسول اللہ میں بعض گناہوں کے صدور کے دوران ایمان کی نفی کیگئی ہے مثلاً حدیث لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ولایسرق السارق حین یسرق وھو مومن الخ کوئی زانی زنا نہیں کرتا جبکہ وہ مومن ہو اور کوئی چور چوری نہیں کرتا جبکہ وہ مومن ہے، یہں زنا، چوری اور غصب کے افعال کے دوران ایمان کی نفی کیگئی ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان افعال کے کرنے کی جرأت اسی وقت ہوتی ہے جبکہ ایمان کے عنصر سے دل خالی ہو گیا ہو۔ بالکل اسی طرح اللہ کے ذکر سے خالی جو دم نکلے گا اس وقت یہ سمجھا جائیگا کہ اس دم کے وقت وہ خدا سے غافل تھا اور اس لمحہ کی حد تک ایمان کے عنصر سے وہ خالی تھا۔ اسی مطلب کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

کل نفس یخرج بغیر ذکر اللہ فھو میت۔ ہر نفس جو ذکر اللہ کے بغیر نکلتا ہے وہ مردہ ہے اس موقع پہ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن شریف میں ایمان پہ حیات اور کفر پہ موت کا اطلاق کیا گیا ہے ـــــ اس تشدیدی حکم کی وجہ یہ ہے کہ ذکر اللہ فرض ہے اس لئے کہ قرآن میں بصیغۂ امر اسکی تاکید کیگئی ہے۔ اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ صیغہ امر وجوب پہ دلالت کرتا ہے فاذکرونی اذکرکم الخ واذکروا اللہ ذکراً کثیراً اور اسی قبیل کی بیسیوں آیتیں قرآن میں موجود ہیں۔ جن سے ذکر کی فرضیت پہ روشنی پڑتی ہے۔ نیز ذکر قلیل منافقین کی علامت بیان کی گئی ہے۔ بفحوائے آیت قرآنی ولا یذکرون اللہ الا قلیلاً۔ اور نہیں یاد کرتے ہیں اللہ کو مگر قلیل

اسی لئے امام علیہ السلام نے آٹھ پہر کے ذاکر کو مومن کامل اور پانچ پہر کے ذاکر کو مومن ناقص اور اس سے کم کو منافق کے نام سے یاد کیا ہے۔ پھر صرف ایکدم کے تارک ذکر پر کفر کا اطلاق کیسے ہوسکتا ہے؟ اسی کا جواب "اما نہاں است" سے دیا گیا ہے۔ اما نہاں است سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ حکم حکم شرعی اور اس طرح کا کفر کفر اصطلاحی نہیں ہے۔ اس لئے کہ شریعت ظاہر پہ حکم لگاتی ہے۔ دم پہ نہیں، شریعت کا دائرہ عمل محدود ہے صاف الفاظ میں اقوال و اعمال اور حرکات کی حد تک ہے، لیکن حقیقت اور معرفت کا دائرہ عمل اتنا وسیع ہے کہ اس میں خیال، خطرہ، وسوسہ، نیت اور دم کی بھی گنجائش ہے اور ان امور پہ بھی حکم لگایا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے حقیقت اور معرفت کے دائرہ میں ایک دم کے تارک ذکر اللہ پہ کفر (حق پوشی) کا اطلاق کیا جاتا ہے یاد رہے کہ انسان اپنے تمام کاروبار کرتے ہوئے بھی ذکر اللہ کر سکتا ہے۔ دست بکار دل بیار اسی حقیقت کی تشریح ہے۔

۱۶) ہشت جنت گر دہند ت سربسر	اگر تجھکو آٹھ کی آٹھ جنتیں بھی دی جائیں
تو مشو راضی از انہا در گذر	تو تو ان سے راضی نہ ہو اور ان سے گذر جا
عالی ہمت باش و دل با حق ببند	عالی ہمت ہو اور دل کو حق کے ساتھ لگا رکھ
تو ہمائے قاف قربی رو بلند	تو ہمائے قاف قربی ہے اسی لئے تجھے اوپر اڑنا چاہیئے۔
رو بلند رو بلند رو بلند	اوپر اڑ، اوپر اڑ، اوپر اڑ

(سراج المنیر ص۱۸)

مثنوی کے یہ ابیات بھی امام علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہیں۔ جن کا مقصد انسانی اعمال کے صلے کے سلسلے میں انسانی فکر اور ذہن کو ترغیب جنت اور ترہیب دوزخ کے جذبات اور عناصر سے پاک کرتے ہوئے ذہن کو ہمائے قاف قربی بنا کر نہ صرف مسلسل پرواز پہ آمادہ کرنا ہے بلکہ تجلیات ربانی کو ہی اصل مقصد کی حیثیت سے پیش کرنا ہے۔

انسانی اعمال کی بازپرس، جزا اور سزا کے تصور کو قرآن نے کامل وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جزا کیلئے جنت اور سزا کیلئے دوزخ کے الفاظ کا بھی استعمال ہوا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انسان اتنا کم ظرف، کم حوصلہ اور پست ہمت ہے کہ اس کے سارے اعمال کا مدار "شوق جنت" یا "خوف دوزخ" ہو جائے۔ اگر ایسا بھی ہے تو یقیناً

ایسا انسان پست ہمت اور کم حوصلہ ہوگا۔ حالانکہ جنت اور دوزخ بھی تو مخلوق کی حیثیت رکھتے ہیں
ایک مخلوق کو دوسری مخلوق کی خواہش ہ یا دوسرے مخلوق کا خوف کیسے کیا ہی اچھا ہوتا
اگر وہ جنت اور دوزخ کے تصورات سے بالا ہو کر اپنے اعمال افعال، اقوال، افکار
حتی کہ اپنے ارادوں کو بھی خدا کے مرضی کے تابع کر دیتا۔ اور مرضیٔ رب کو اپنا مقصد
بناتا — اسطرح یقیناً اسے جنت ہی حاصل ہوتی۔ لیکن ایک شخص کا خدا کی مرضی کو
مقصد حیات بنانا اور اس کے نتیجہ میں جنت پر سے اسکا گذر ہونا اور دوسرے کا صرف
جنت کے حصول کو مقصد بنانا یا دوزخ کے خوف پر اعمال کی بنیاد رکھنا ظاہر ہے کہ ان
دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے — اسی بات کی تعلیم امام علیہ السلام نے ان ابیات
کو پڑھکر دی ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ بلند نظر رہے، اونچا مقصد رکھے اور اس
کیلئے کوشش کرتا رہے۔ اگر کسی وجہ سے وہ مقصد حاصل نہ ہو تو کم سے کم اس سے
ادنی مقصد تو حاصل ہو ہی جائیگا لیکن اگر ابتداء میں ہی ادنی چیز کو مقصد قرار دیا جائے اور وہ
حاصل نہ ہو تو ٹھکانہ کہاں؟ نیز طاعت کے صلے میں انسان کا جنت طلب کرنا خدا سے
لین دین کرنا ہوا اور ایسی طاعت میں خلوص کہاں سے پیدا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ طاعت کو
خالصاً لوجہ اللہ ہونا چاہئے تھا۔ اسی وجہ سے غالب کو یہ کہنا پڑا۔

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ ؎ دوزخ میں ڈالدے کوئی لیکر بہشت کو

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ "شوق" اور "خوف" سے کہیں زیادہ مرتبہ "ذوق" کا ہے جسے
ذوق صحیح حاصل ہے اسے نہ کسی بات کا شوق ہے اور نہ کسی چیز سے خوف

۱۷) لا تُرا از تو رہائی می دہد ۔۔۔ با خدایت آشنائی می دہد

لا تجھکو خود تجھ سے رہائی دیتا ہے ۔۔۔ (اور) تیرے خدا سے تجھے آشنا کرتا ہے

یہ شعر بھی امام علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلا ہے۔ جس میں کامل توحید کی تاکید
کی گئی تھی کلمہ "لا" (غیر اللہ کی نفی) کی جو قوت ہوگی "الا" میں اثبات کی بھی وہی
قوت ہوگی۔ اگر لا کے ذریعہ ادنی درجہ کے نفی یعنی مرئی اصنام کی نفی کیجا رہی ہے تو
الا اللّٰہ کا اثبات بھی وہی معمولی ہوگا لیکن اگر لا کی اس تیغ کے ذریعہ ماسوی اللہ
کے کل تصورات کی گردن کیجا رہی ہوگی اور سب سے بڑھکر "خودی" کے عظیم ترین بت کو
توڑا جا رہا ہو گا تو اب "الا اللّٰہ" کی شان کل یوم ھو فی شان کی ہوگی۔

م غیر محسوس لذت و تاثیر اور نشاط انبساط کی کیفیت پیدا کرتی ہے مطلب یہ ہے کہ اس لا میں نفی (سرّ ربیع صہ ۱۲۸)

اور اس مقصد کیلئے انسان کو لامعبود، لامقصود، لاموجود اور لامشہود کے مقامات کی سیر کرنی پڑتی ہے ۔ خلاصہ یہ کہ توحید تام کے بغیر انسان کو کامل ایمان نصیب نہیں ہوسکتا اور توحید تام کیلئے مکمل نفی غیر اللہ کی درکار ہے ۔ غیر اللہ کی مکمل نفی کا واحد ذریعہ " لا " ہے پس اس کی دھار جتنی تیز ہوگی غیر اللہ کی گردن اسی نسبت سے کٹیگی اور اگر بہت زیادہ تیز ہوگی تو خود انسان کو اس کی خودی سے نجات مل جائے گی اور پھر وہ ہوگا اور بحر بیکراں ۔ بلکہ ایسی فضا میں پہنچ جائیگا جہاں انسان پھیل کر خدا ہونا ہو اور خدا سمٹ کر انسان !

اسی مطلب کو امام علیہ السلام نے دوسرے مقام پر اسطرح ادا فرمایا ہے ۔

جاں نہیں نہیں کہ جانے ، واں ہے ہے کہ جان
جاں ہے ہے کہ جانے ، واں نہیں نہیں کہ جان

اسی میں ہے پیرمان ۔

۱۸) ما برائے دیدنِ یار آفریدہ اند ٭ ورنہ وجودِ ما بچہ کار آفریدہ اند
ہم کو دیدار کیلئے پیدا کئے ہیں ورنہ ہمیں کس کام کیلئے پیدا کئے ہیں

یہ شعر بھی امام علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلا ہے اور اس کا مقصد دار دنیا میں چشم سر سے خدا کو دیکھنے کی تعلیم کا جواز اور تاکید ہے ۔

واضح باد کہ رویت باری کا مسئلہ احسان سے متعلق ہے جو دین کی آخری اور اہم شق ہے دین کے دوسری دو شقیں اسلام اور ایمان ہیں ! ایمان سے مراد خدا، اسکے رسول اسکی کتابوں، اسکے فرشتوں یوم آخرت، تقدیر اور بعث بعد الموت کو حق جاننا اور دل سے ان کی تصدیق کرنا ہے ۔ اسلام کے معنی کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکات اور حج ہیں؛ اور احسان کی تعریف یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت کرو اس طرح کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہ دیکھ سکو تو (کم از کم یہ خیال رہے کہ) وہ تم کو دیکھ رہا ہے ۔ چنانچہ اس باب میں اس معنی کی جو حدیث آئی ہے وہ بہت ہی مشہور اور علماء اسلام کے مابین بہت متداول ہے ـــــ مندرجہ بالا عبارت یعنی مضمون حدیث سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں ۔ (۱) دین کی تین شقیں ہیں ۔ اسلام، ایمان، احسان ۔

(۲) اسلام میں اعمال ہے، ایمان میں عقائد ہے اور احسان میں رویت

سے بحث کیجاتی ہے۔ (۳) اسلام اور ایمان کا کمال مرتبہ احسان میں یعنی "دیدار" کی صورت میں ہوتا ہے۔ (۴) یہ کہنا "کہ تو خدا کی عبادت کر اسطرح کہ گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے"۔ رؤیت کا جواز پیش کرتا ہے اس لئے کہ آخرت میں رؤیت کے تو سب قائل ہی ہیں۔

اسی بناء پر جمیع اہلِ سنت علماء کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ دارِ دنیا میں خدا کا دیدار جائز ہے پس اختلاف اگر کہیں مروی ہے تو صرف "وقوع" سے متعلق ہے نہ کہ امکان و جواز کے متعلق آنحضرت کی معراج جسمانی تھی پس آنحضرت کے قول "نورٌ انّی اراہ" سے بھی چشم سر سے دیدار ہی ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح سے کئی علماء باشرع اور صوفیائے نے اپنے دیدار سے متعلق خبر دی ہے۔

امام علیہ السلام کی بعثت کا مقصد خاص تو یہی مرتبہ احسان کی تعلیم تھا۔ چنانچہ ببانگ دہل آپ نے فرمایا "تصدیق بندہ بینائی خدا" پھر فرمایا "ما مذہب بصیرانِ آں دائم" رؤیت باری کے ناجائز یا ناممکن الوقوع ہونے پر فرمانِ باری "لن ترانی" سے، جو حضرت موسیٰ کے متعلق تھا، استدلال کرنا بیکار محض ہے۔ کیونکہ "لن ترانی" سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مخاطب (شخص خاص) نہیں دیکھ سکتا۔ یہ نہیں کہا گیا کہ "میں دکھائی نہیں دیا جا سکتا" کسی شخص خاص میں صفت بصیرت نہ ہونے اور خدا کو نہ دیکھ سکنے کی وجہ یہ کلیہ تو قائم نہیں ہو جاتا کہ کوئی بھی اُسے نہیں دیکھ سکتا، یا یہ کہ وہ دکھائی ہی نہیں جاتا۔

دراصل وہ جواب اس لئے کہا گیا تھا کہ حضرت موسیٰ نے کفار کے مطالبہ "لن نؤمن لک حتی نری اللہ جہرۃً" "جبتک ہم خدا کو علانیہ نہیں دیکھ لیتے اس وقت تک ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے" پر "رب ارنی" فرمایا تھا۔ اور یہ جواب دراصل مطالبہ کرنے والوں کو دیا گیا تھا لیکن بذریعہ حضرت موسیٰ۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ دیدار باری دار دنیا میں ناجائز ہے تو پھر حضرت موسیٰ پر یہ سنگین اعتراض آتا ہے کہ آپ نے اولو العزم نبی ہونے کے باوجود ایک ناجائز امر کا خدا سے مطالبہ کیا تھا۔ حضرت موسیٰ کا مطالبہ کرنا خود یہ ثابت کرتا ہے کہ جس چیز کا مطالبہ کیا گیا تھا وہ جائز الوقوع تھا۔ نیز "لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار" میں نفی ادراک کی جا رہی ہے، اور یہاں جو مسئلہ زیر بحث ہے وہ رؤیت کا ہے۔ ادراک کا نہیں۔ ادراک کی نفی رؤیت کی نفی کو مستلزم نہیں ہے، شعر کا مطلب بھی یہی ہے کہ خدا نے ہمیں اسی لئے پیدا کیا ہے کہ

ہمیں اسکا دیدار حاصل ہو۔ اس لئے کہ عبادت کا مقصد ہی معرفت ہے۔ اور معرفت کلی کا دوسرا نام دیدار ھے پس انسان کی پیدائش کا اعلیٰ مقصد بھی یہی ہے کہ دیدار یار سے مشرف ہو۔ اور اگر انسان کے سامنے یہ مقصد نہیں ہے تو پھر کوئی ہمیں یہ بتائے کہ اسکے پیدا کئے جانے کا اصل اور اعلیٰ مقصد کیا ہے

۱۹) من آں وقت کردم خدا را سجود | کہ ذات و صفات خدا ہم نبود (۱۴ سراج)

میں نے اس وقت خدا کو سجدہ کیا ہے | جبکہ خدا کے ذات و صفات بھی نہیں تھے

مرتبہ لاہوت کے بعد سالکین کو ملنے والی منزل ہاہوت کی ایک شان کی نسبت آپ نے یہ شعر فرمایا ہے ـــــ واضح یاد کہ اس سے قبل ہم نے 'بیزارم از آن ... الخ کی تشریح میں یہ بیان کیا تھا کہ سالک کو کسی مقام پر رکاوٹ نا روا ہے اس لئے کہ خدا کی ذات لا محدود ہے کل یوم ھو فی شان اسی جانب اشارہ کرتا ہے علاوہ ازیں امام علیہ السلام نے ایک مرتبہ فرمایا۔ جسطرح خدا کی خدائی کو انتہا نہیں اسی طرح بندہ کی طلب کو بھی انتہا نہیں۔ اس کا مطلب بھی یہی تھا کہ مومن کو چاہئیے کہ وہ مسافر دائمی بنے رہے۔

قل سیروا فی الارض کے قرآنی حکم سے عام مفسرین نے ارض مسکونہ کی سیاحت مراد لی ہے، لیکن محققین کے پاس ارض سے مراد ارض حقیقت ہے۔ ارض مسکونہ محدود ہے، لیکن ارض حقیقت کی کوئی انتہا نہیں ہے ہر لحظہ و ہر آن اسکی نئی شان ہے منازل سلوک میں عام سالکین کو ناسوت، ملکوت، جبروت اور لاہوت کی منزلوں سے سابقہ پڑتا ہے اور لاہوت پر یہ راہ ختم ہو جاتی ہے لیکن امام علیہ السلام کے ہاں جو تعلیم ہے اسکی وجہ ابتداء لاہوت سے ہوتی ہے اور انتہا کیا ہے وہ تو سالک کو معلوم ہے یا خدا کو معلوم۔ لاہوت کے بعد آنے والی منزلوں میں جو منزل ہاہوت کی ہے اسی کی ایک شان بیان کرتے ہوئے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے خدا کو اس وقت سجدہ کیا جبکہ خدا کی ذات و صفات بھی نہیں تھے۔ یہاں کیا نکتہ بیان کیا گیا ہے اس مقام کے حامل ہی بہتر طور پر جان سکتے ہیں۔ صوفیاء کے پاس ایسا طریق بیان مشہور و مقبول ہے۔

۲۰) دوئی را دور کن از خود یکے بیں در تہ و بالا | تو اگر ایں بسر شد ہمیں ست خانۂ خالا (سراج صد ۶۸)

دوئی کو خود سے دور کر، نیچے اوپر ایک کو ہی دیکھ | اگر تجھے یہ مقام حاصل ہو جائے تو یہ سمجھ کہ یہی تو خالا کا گھر ہے۔

یہ شعر بھی امام علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے نکلا ہے اور اس کے ذریعہ اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ سالک کے پاس جتنک دوئی کا تصور یا نظریہ باقی رہتا ہے، اسے کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ دوئی اور تعین ہی سالک کے کمال کے راہ میں زبردست رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ اگر سالک خود سے خودی کو دور کر دے، تعینات کے پردوں کو چاک کر دے، دوئی کے تصور کو پارہ پارہ کر دے تو اسکے بعد اسے جو مقام حاصل ہوگا وہ یہ ہوگا "اینما تولوا فثم وجہ اللہ" اور جب سالک کو یہ مقام حاصل ہو جائے تو اسے پھر اور کیا چاہئے ـــــ خانہ خالا کہکر مرتبہ فنا اور یکتائی کو آسان طریقہ پہ پیش کیا گیا ہے۔ جیساکہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا تھا کہ عام سالکین کی راہ طریقت لاہوت پہ ختم ہو جاتی ہے اور یہاں جو فیض ملتا ہے وہ مرتبہ واسطگی کا ہوتا ہے۔ امام علیہ السلام کی بعثت اسی غرض سے ہوئی تھی کہ خاصان خدا کو اقرب الطریق اور نہایت آسان تعلیم و تفہیم سے سکی حسب استعداد "مرتبہ بلا واسطگی" تک پہنچا دیں۔ اور یہ مرتبہ بلا واسطگی کے بعد کا مرتبہ ہے . . . .

. . . .

. . . . اور اس مقام پہ پہنچے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ انسان نظریہ دوئی کو ترک کر دے، جب خودی کا ذرہ برابر شائبہ بھی نہ ہوگا تو اسکا نفس نفس مطمئنہ سے جو لاہوتی منزل ہے اونچی پرواز کرتے ہوئے راضیہ مرضیہ کی سرحد میں داخل ہوگا جو کہ مقام خاتمین علیہما السلام ہے۔ اس مقام پہ سالک یہ دیکھے گا کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اسی کے ارادہ و حکم سے ہو رہا ہے اسی مقام کو خانہ خالا سے تعبیر دی گئی ہے۔

(۲) ناہم لاویں لونگ سپاری نا یہ بنت کا ادا ہم تو بھریں پیو کے بچھنا واں کہاں سولا گا	نہ ہم لونگ سپاری لاتے ہیں اور نہ بڑے ملدے ہم تو خدا کا کلام لادتے ہیں اس کا محصول کیسے ؟

(حاشیہ صـ۱۱)

مطلب یہ کہ ہمارے پاس صرف کلام اللہ کے اور کوئی اثاثہ نہیں ہے۔ یہی ہمارا سرمایہ ہے جسے لئے ہوئے ہم ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں تاکہ اللہ کی مخلوق کو جو اس سے بے خبر ہونے کی وجہ مفلس ہو گئی ہے پھر سے سرمایہ دار بنا دیں۔ ہماری اس ہجرت و سیاحت کا مقصد نہ تو

تجارت ہے اور حکومت و سلطنت ۔ جب ہمارے پاس سامان ہی کچھ نہیں ہے تو ہم سے محصول لینے کا سوال ہی کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے ۔ محصول سے مراد وہ پابندیاں اور موانع ہیں جو حکومت وقت کی جانب سے آپ اور آپ کی جماعت پر مختلف صورتوں میں عاید کی جاتی تھیں ۔

(۲۲) پھاٹا پہریں ٹوکا کھائیں
راول دیول کہیں نہ جائیں
ہم گھر آئی یا ہی ریت
پانی لوریت اور مسیت

پھٹا پرانا کپڑا پہن لیں ۔ روکھا سوکھا کھائیں
امیروں کے گھروں کو یا غیر متشرع مکانوں کو نہ جائیں
(شروع سے) ہمارے ہاں کی یہی ریت ہے ۔
کہ پانی اور مسجد (سفر ہو کہ حضر) دیکھیں ۔

اس کا مطلب بھی صاف ہے ۔ مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے ۔

(۲۳) کبوتر خانہ دو بیٹا یا مطبخ لاگی آگ
جل موئی او پابیڑی چپ بنوالے لاگ

کبوتر خانہ کو بڑا اور باورچی خانہ کو آگ لگ گئی
وہ بدبخت بلی چکنی غذا کی حرص میں جل کر مر گئی

بلی باورچی خانہ میں اس لئے گئی تھی تاکہ چکنی چپڑی غذا مل جائے لیکن اتفاق سے جب کبوتر خانہ کو بڑا اور باورچی خانہ کو ہی آگ لگ گئی تو بے چاری قضا کی ماری بھی جل کر مر گئی اگر یہ اپنی جگہ پر ہوتی اور جل کر مرتی تو شاید لوگوں کی ہمدردی حاصل کرتی لیکن یہاں اس بلی نے حرص کی خاطر اپنی جان دی ہے ۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کسی کو اس سے ہمدردی نہیں ہوتی ۔ علاوہ ازیں اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ دیکھنے والے نے صرف چکنی چپڑی غذا کو دیکھا لیکن یہ نہ سوچا کہ اگر مطبخ میں آگ لگ جائیگی تو میرا کیا حشر ہوگا ۔

دنیا بھی اسی طرح مطبخ ہے ۔ جہاں چکنی چپڑی چیزیں ملتی ہیں اور انسان ان کے حصول میں اندھا دھند کود پڑتا ہے لیکن اس مطبخ میں آگ بھی ہوتی ہے کوئی اس جانب توجہ نہیں کرتا ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس مطبخ سے بہت کم سر سلامت واپس آتے ہیں ۔

تمت بالخیر

المرقوم ۱۷ر شعبان المعظم سنہ ۱۳۸۳ھ م ۳ر جنوری سنہ ۱۹۶۴ء بروز جمعہ

مژدۂ جانفزا ہر قسم کی دلکش طباعت اور دیدہ زیب کتابت کیلئے کوہِ نور پریس کا نام یاد رکھیے ۔ جہاں خوشنما رقعہ جات ۔ رنگین اشتہارات ۔ نظر افروز کتابچے وغیرہ وقت کی پابندی اور مناسب اجرت پر شائع کئے جاتے ہیں تجربہ شرط ہے
کوہِ نور پریس ۔ مقابل باٹا شاپ ۔ موچی بازار ۔ بنگلورہ (لشکر)